اردو ماہنامہ

سائنس

نئی دہلی

72

جنوری 2000

ISSN-0971-5711

العلم

طلب العلم فريضة على كل مسلم

مجلة شهرية علمية

اسلام اور علم



Rs.12

نہ سمجھوگے تو مٹ جاؤ گے ......

☆ علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے اور اس فریضہ کی ادائیگی میں کوتاہی آخرت میں جواب دہی کا باعث ہوگی۔ اس لیے مسلمانوں کو لازم ہے کہ اس پر عمل کرے۔

☆ حصول علم کا بنیادی مقصد انسان کی سیرت و کردار کی تشکیل، اللہ کی عبادت اور مخلوق کی خدمت ہے۔ معیشت کا حصول ایک ضمنی بات ہے۔

☆ اسلام میں دینی علم اور دنیاوی علم کی کوئی تقسیم نہیں ہے۔ ہر وہ علم جو مذکورہ مقاصد کو پورا کرے، اس کا اختیار کرنا لازمی ہے۔

☆ مسلمانوں کے لیے لازم ہے کہ وہ دینی اور عصری تعلیم میں تفریق کے بغیر ہر مفید علم کو ممکن حد تک حاصل کریں۔ انگریزی اسکولوں میں تعلیم پانے والے بچوں کی دینی تعلیم کا انتظام گھروں پر، مسجد یا خود اسکول میں کریں۔ اسی طرح دینی درسگاہوں میں پڑھنے والے بچوں کو جدید علوم سے واقف کرانے کا انتظام کریں۔

☆ مسلمانوں کے جس محلّہ میں مسجد، مکتب، مدرسہ یا اسکول نہیں ہے، وہاں اس کے قیام کی کوشش ہونی چاہئے۔

☆ مسجدوں کو اقامت صلوٰۃ کے ساتھ ابتدائی تعلیم کا مرکز بنایا جائے۔ ناظرہ قرآن کے ساتھ دینی تعلیم، اردو اور حساب کی تعلیم دی جائے۔

☆ والدین کے لیے ضروری ہے کہ وہ پیسہ کے لالچ میں اپنے بچوں کو تعلیم سے پہلے، کام پر نہ لگائیں، ایسا کرنا ان کے ساتھ ظلم ہے۔

☆ جگہ جگہ تعلیم بالغاں کے مراکز قائم کیے جائیں اور عمومی خواندگی کی تحریک چلائی جائے۔

☆ جن آبادیوں میں یا ان کے قریب اسکول نہ ہو وہاں حکومت کے دفاتر سے اسکول کھولنے کا مطالبہ کیا جائے۔

منجانب:

1- مولانا سید ابوالحسن علی ندوی صاحب (لکھنؤ) 2- مولانا سید کلب صادق صاحب (لکھنؤ) 3- مولانا ضیاء الدین اصلاحی صاحب (اعظم گڑھ) 4- مولانا مجاہد الاسلام قاسمی صاحب (پھلواری شریف) 5- مفتی منظور احمد صاحب (کانپور) 6- مفتی محبوب اشرفی صاحب (کانپور) 7- مولانا محمد سالم قاسمی صاحب (دیوبند) 8- مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب (دیوبند) 9- مولانا عبداللہ اجراروی صاحب (میرٹھ) 10- مولانا محمد سعود عالم قاسمی صاحب (علی گڑھ) 11- مولانا مجیب اللہ ندوی صاحب (اعظم گڑھ) 12- مولانا کاظم نقوی صاحب (لکھنؤ) 13- مولانا مقتدر احسن ازہری صاحب (بنارس) 14- مولانا محمد رفیق قاسمی صاحب (دہلی) 15- مفتی محمد ظفیر الدین صاحب (دیوبند) 16- مولانا توصیف رضا صاحب (بریلی) 17- مولانا محمد صدیق صاحب (ہتھورا) 18- مولانا نظام الدین صاحب (پھلواری شریف) 19- مولانا سید جلال الدین عمری صاحب (علی گڑھ) 20- مفتی محمد عبدالقیوم صاحب (علی گڑھ)

ہم مسلمانانِ ہند سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ مذکورہ تجاویز پر اخلاص، تنظیم اور محنت کے ساتھ عمل پیرا ہوں اور ہر اس ادارے، فرد اور انجمن سے تعاون کریں جو مسلمانوں میں مکمل تعلیم کے فروغ اور ان کی فلاح کی کوشش کر رہے ہیں۔

اردو ماہنامہ

سائنس

نئی دہلی

72

ہندوستان کا پہلا سائنسی اور معلوماتی ماہنامہ
انجمن فروغ سائنس کے نظریات کا ترجمان

جلد نمبر (7) جنوری 2000ء جلد نمبر (1)

ایڈیٹر : ڈاکٹر محمد اسلم پرویز

قیمت فی شمارہ 12 روپے
5 ریال (سعودی)
5 درہم (یو۔اے۔ای)
2 ڈالر (امریکی)
1 پاؤنڈ
سالانہ: (سادہ ڈاک سے)
130 روپے (انفرادی)
140 روپے (اداراتی)
300 روپے (بذریعہ رجسٹری)

برائے غیر ممالک:
(ہوائی ڈاک سے)
60 ریال/درہم
24 ڈالر (امریکی)
12 پاؤنڈ
اعانت تاعمر:
2000 روپے
240 ڈالر (امریکی)
100 پاؤنڈ

فون/فیکس : 692-4366 (رات 8 تا 10 بجے صرف)
ای میل پتہ : parvaiz@ndf.vsnl.net.in

اس دائرے میں سرخ نشان کا مطلب ہے کہ آپ کا زر سالانہ ختم ہو گیا ہے

ترتیب

ضروری اعلان

خصوصی نمبر کی اشاعت کی وجہ سے اس ماہ ہمارے مستقل کالم (سوال جواب، کسوٹی، لائٹ ہاؤس وغیرہ) شائع نہیں ہو سکے۔ انشاء اللہ اگلے شمارے سے تمام کالم حسب سابق، شائع ہوں گے۔ "سائنس کلب" کے ممبران کی تصاویر اور مختصر تعارف بھی اگلے ماہ سے شائع ہوگا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نئی صدی کا عہد نامہ

موجودہ صدی کے اس آخری سال میں آیئے ہم یہ عہد کریں کہ اگلی صدی کو اپنے لیے

"تکمیل علم صدی"

بنائیں گے۔۔۔ علم کی اس غیر حقیقی اور باطل تقسیم کو ختم کر دیں گے جس نے درسگاہوں کو "مدرسوں" اور "اسکولوں" میں بانٹ کر آدھے ادھورے مسلمان پیدا کیے ہیں۔

آیئے عہد کریں کہ نئی صدی **مکمل اسلام** اور **مکمل علم** کی صدی ہو گی۔ ہم میں سے ہر ایک اپنی اپنی سطح پر یہ کوشش کرے گا کہ ہم خود اور ہماری سرپرستی میں تربیت پانے والی نئی نسل بھی مکمل علم حاصل کر سکے۔۔۔۔ ہم ایسی درسگاہیں تشکیل دیں گے جہاں اسکولی سطح تک مکمل علم کی تعلیم ہو اور جہاں سے فارغ ہونے والا طالب علم حسب منشا علم کی کسی بھی شاخ میں، چاہے وہ تفسیر، حدیث یا فقہ ہو چاہے الیکٹرانکس، میڈیسن یا میڈیا ہو، تعلیم جاری رکھ سکے گا۔۔۔

آیئے ہم عہد کریں کہ مکمل علم و تربیت سے آراستہ ایسے مسلمان بنیں گے اور تیار کریں گے کہ جن کے شب و روز محض چند ارکان پر نہ ٹکے ہوں بلکہ وہ "پورے کے پورے اسلام میں ہوں" تا کہ حق بندگی ادا کرتے ہوئے دنیا میں وہی کام کریں کہ جن کے واسطے ان کو بھیجا گیا ہے۔ یعنی وہ خیر امت جس سے سب کو فیض پہنچے۔

اگر ہم صدق دلی سے اور خلوصِ نیّت سے اللہ اور اس کے رسول کے احکام کی تعمیل کی غرض سے یہ قدم اٹھائیں گے تو انشاءاللہ یہ نیا سال اور نئی صدی ہمارے لیے مبارک ہو گی۔ آمین ثم آمین!

شاید کہ ترے دل میں اتر جائے مری بات

اسلام اور علم

آفتاب احمد ۔دھنباد۔ 826001

علم ،ع۔ل۔م مادے سے مل کر بنا ہے اور اس کی ضد جہل ہوتی ہے (1)۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ "کسی شئے کی حقیقت کا ادراک (Percption) علم ہے۔" یہ دو طرح سے ہو سکتا ہے۔ اولاً کسی شئے سے متعلق، اس کے موجود یا موجود نہ ہونے کا فیصلہ کرنا۔ دوم کسی شئے پر اس کی موجودگی یا اس کے منفی ہونے کا حکم لگانا(2)۔

علم کی باضابطہ تعریفیں

علماء نے علم کی قطعی اور کسی جامع و مانع تعریف سے بالعموم احتراز کیا ہے، لیکن ان کی پیش کردہ صدہا تعریفات کو اگر مجمل صورت دے دی جائے تو بھی ان کی تعداد خاصی ہو جاتی ہے ۔ ہم یہاں چند نمایاں تعریفات کا ذکر کریں گے جو کہ درج ذیل ہیں:

علم ایک صفت ہے، جس کے ذریعہ کسی شئے کا ادراک حاصل ہوتا ہے (3)۔ علم ادراک یا تحصیل یا وجدان (Intuition) یا حقیقت ہے، علم ثبوت ہے۔ علم نام ہے بیان و اثبات، یا تمیز اور قطع کا۔ علم تحقیق ہے علم افادہ ہے۔ علم تخلیقات اور متصورات کی تحقیق ذہنی ہے۔ علم ایمان ہے۔ یہ ایک صفت اضافیہ ہے عالم اور معلوم کے مابین (4)۔

> ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: علم حاصل کرو، کیونکہ اللہ کی خوشنودی کے لیے علم کی تعلیم لازمی ہے، علم کی طلب عبادت ہے، علم کی تلاش جہاد ہے، بے علموں کو علم سکھانا صدقہ ہے، مستحق لوگوں کو علم سکھانا اللہ کے تقرب کا ذریعہ ہے۔ علم حلال اور حرام (کے مابین امتیاز) کا نشان ہے۔ جنت کے راستوں پر روشنی کا ستون ہے، تنہائی میں مونس ہے، پردیس میں رفیق ہے، خلوت میں ندیم ہے، دشمن کے مقابلے میں ہتھیار ہے، دوستوں میں زینت ہے، علم کے ذریعے بلندی اور امانت ملتی ہے۔ علم اہل علم کی سیرت کو مکمل کر کے اسے دوسروں کے لیے نمونہ بناتا ہے اور ان کے لیے بر و بحر کے رہنے والے دعا کرتے ہیں۔

علم اعتقاد ہے۔ علم ہئیت برہانیہ ہے (5)۔ علم کلیات کی بصیرت کا نام ہے۔ علم نور ہے۔ جو خدا کی طرف سے دل پر ڈالا جاتا ہے (6)۔

امام فخر الدین رازیؒ کا قول ہے کہ علم کی تعریف علم سے ہی کی جا سکتی ہے اور یہ وہ ہے، جو محال ہے، لہٰذا علم کی تعریف کی کوشش لاحاصل ہے۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ علم ایمان و ایقان اور ذوق اور کشف کا نام ہے، جو ہوتا ضرور ہے مگر اس کی تعریف نہیں کی جا سکتی (7)۔ اس کے باوجود جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے اس کی متعدد تعریفیں کی گئی ہیں۔

علم کے مختلف تصورات

(الف) قرآن مجید:

قرآن مجید میں لفظ علم مختلف اشتقاقی (Derivative) صورتوں میں 778 مرتبہ وارد ہوا ہے۔ قرآن مجید میں اس مادے کے اشتقاقات (Derivatives) جس کثرت سے آئے ہیں ان سے یہ نتیجہ نکالنا مشکل نہیں ہے کہ قرآن مجید کی رو سے علم کو غیر معمولی بلکہ فوق الکل اہمیت حاصل ہے۔ قرآن مجید میں علم سے متعلق جو آیات موجود ہیں ان سے خدائے تعالیٰ کے علم کی

صفات خاص کا تعلق ہوتا ہے۔

علم کا مصدر و منبع (مبدا Origin) صرف خدا کی ذات ہے اور اس سے زیادہ جاننے والا بھی کوئی نہیں وہ علیم و علام ہے۔ خدا کا علم وسیع و محیط ہے وہ واسع علیم ہے۔ وہ انفس و آفاق کے علم کا مالک اور عالم الغیب والشہادۃ ہے۔ وہ دلوں کی وہ باتیں بھی جانتا ہے جنھیں لوگ چھپاتے ہیں (8)۔ زمینوں اور آسمانوں کے اسرار اور بحر و بر میں چھپی ہوئی جتنی حکمتیں ہیں خدا کا علم ان سب پر محیط ہے اور مفاتیح الغیب کا علم اسی کے پاس ہے (9)۔ جو کچھ آئندہ آنے والا ہے وہ اسے بھی جانتا ہے۔ یوم الساعۃ کا علم بھی اسی کے پاس ہے۔

> یہ سراسر غلط بیانی ہے کہ مسلمانوں نے علم یونانیوں اور دوسرے عجمیوں سے سیکھا۔ مسلمانوں کی اصل دینی تحریک قرآن مجید سے ابھری۔ مسلمانوں کے نزدیک علم شک سے نہیں یقین سے پیدا ہوتا ہے اور اسی یقین کی بدولت مسلمان تسخیر عالم کے قابل ہوئے

انسان جو علم حاصل کرتا ہے وہ علم بھی اللہ تعالیٰ نے دیا ہے اور اس کی حقیقت، اس کے نتائج اور اس کے مضمرات کا صحیح علم بھی اسی کو ہے۔ انسان جو علم حاصل کرتا ہے وہ وہبی (Congenital) بھی ہے اور اکتسابی بھی، مگر منبع ہر حال میں خدا کی ذات ہے۔

(ب) علم حدیث کی رو سے اور اہل حدیث کی نظر میں:

قرآن مجید کے بعد رسول کریم ﷺ کی احادیث آتی ہیں جو قرآن کی تشریح و تفسیر کا درجہ رکھتی ہیں۔ قرآن مجید اور احادیث رسولؐ کی روایت و حفاظت کا علم ہے۔ لیکن اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ان میں علم کی دوسری شاخیں، بلکہ حقائق کائنات، مشاہدات اور صانع حقیقی کی صنعتوں کے علم کی طرف اشارے اور ان کے مطالعے کی ترغیب بھی موجود ہے۔

ایک حدیث میں آنحضرتؐ نے علم قرآن کے حصول کو رحمت الٰہی کا موجب قرار دیا۔ نیز طلب علم کو جنت کا ذریعہ ٹھہرایا ہے (10)۔ ایک دوسری حدیث میں آپ ﷺ نے اس علم و ہدایت کو جو آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملا۔ آپ ﷺ نے اسے فراواں بارش سے تشبیہ دی ہے (جو ثمر آور ہوتی ہے) (11)۔

نبی کریمؐ نے رفاہ عامہ کی خاطر بے غرض حصول علم اور بے غرض اشاعت علم کو بہت سراہا ہے۔ حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم خلیل اللہؑ سے بذریعہ وحی فرمایا کہ میں علیم ہوں اور ہر صاحب علم سے محبت کرتا ہوں۔ ایک حدیث میں آپؐ نے فرمایا کہ علم کا سیکھنا اور سکھانا ذکر اللہ کی طرح فضیلت رکھتا ہے، نیز آپؐ نے فرمایا کہ خود مجھے اللہ تعالیٰ نے علم کتاب سکھانے کے لیے بھیجا ہے۔

ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: علم حاصل کرو، کیونکہ اللہ کی خوشنودی کے لیے علم کی تعلیم لازمی ہے۔ علم کی طلب عبادت ہے، علم کی تلاش جہاد ہے، بے علموں کو علم سکھانا صدقہ ہے، مستحق لوگوں کو علم سکھانا اللہ کے تقرب کا ذریعہ ہے، علم حلال اور حرام (کے مابین امتیاز) کا نشان ہے، جنت کے راستوں پر روشنی کا ستون ہے، تنہائی میں مونس ہے، پردیس میں رفیق ہے، خلوت میں ندیم ہے، دشمن کے مقابلے میں ہتھیار ہے، دوستوں میں زینت ہے، علم کے ذریعے بلندی اور امانت ملتی ہے، علم اہل علم کی سیرت کو مکمل کر کے اسے دوسروں کے لیے نمونہ بناتا ہے اور ان کے لیے بر و بحر کے رہنے والے دعا کرتے ہیں (12)۔

یہ ماننا پڑے گا کہ دنیا کی سب سے بڑی علمی تحریک دور اسلامی میں پیدا ہوئی۔ منجملہ دوسری احادیث کے مندرجہ ذیل احادیث میں ان خاص ترغیبی اثرات کا پتہ چلتا ہے جن سے یہ تحریک فروغ

پذیر ہوئی: "علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔"(13)۔

یہ قدرتی امر تھا کہ قرآن و حدیث کی اس رہنمائی میں محدثین، صحابہ و تابعین نے تحصیل علم پر خاص زور دیا۔ حضرت عبداللہؓ بن مسعود لڑکوں کو پڑھتے دیکھتے تو فرماتے: "شاباش! تم حکمت کے سرچشمے ہو، تاریکی میں روشنی ہو۔ تمہارے کپڑے بھلے پھٹے پرانے ہوں تو کیا، مگر دل تو تر و تازہ ہیں۔ تم علم کے لیے گھروں میں مقید ہو، مگر تم ہی قوم کے مہکنے والے پھول ہو۔"

دنیا میں پہلی مرتبہ مسلمانوں نے ہی علم میں آفاقی (Universal) نظریہ قائم کیا۔ دنیا کی عمومی عالمگیر تاریخ لکھنے کا رواج مسلمانوں سے شروع ہوا۔ اپنے مذہب کے علاوہ دوسرے مذاہب کے تذکرے بھی سب سے پہلے مسلمانوں نے ہی مرتب کیے، کیونکہ قرآن مجید نے خود سب مذاہب کا تذکرہ کیا ہے۔ اس طرح وہ رجحان جسے آج کل World View کہا جاتا ہے مسلمانوں کا ہی پیدا کردہ ہے۔

حضرت عبداللہ بن مبارک سے پوچھا گیا: "آپ کب تک علم حاصل کرتے رہیں گے؟" جواب دیا: "موت تک" سفیان بن عنیہ سے پوچھا گیا: "طلب علم کی سب سے زیادہ ضرورت کسے ہے؟" جو سب سے زیادہ صاحب علم ہے۔" امام شافعیؒ فرماتے ہیں "علم اللہ کا نور ہے اور اللہ کا نور کسی گنہگار کے دل میں نہیں آسکتا۔"

مسلمانوں کے قدیم علمی نظریے کی خصوصیات:

مسلمانوں کا تصور علم اور بعد میں ان کی ساری علمی تحریکیں قرآن مجید کے اثرات کی رہین منت ہیں۔ یہ سراسر غلط بیانی ہے کہ مسلمانوں نے علم یونانیوں اور دوسرے عجمیوں سے سیکھا۔ مسلمانوں کی اصل دینی تحریک قرآن مجید سے ابھری۔ مسلمانوں کے نزدیک علم شک سے نہیں یقین سے پیدا ہوتا ہے اور اسی یقین کی بدولت مسلمان تسخیر عالم کے قابل ہوئے۔ مسلمانوں کے نزدیک جو علم یقین سے پیدا نہیں ہوتا وہ انتشار ذہنی پر منتج ہوتا ہے۔ قرآن مجید نے خدا، رسول، آخرت، قرآن مجید، جزا و سزا اور نیکی میں یقین کو لازمی ٹھہرا کر نوع انسانی کے لیے سکون و اعتماد کی فضا پیدا کی ہے اور نامعلوم کے بارے میں جستجو، تحقیقات اور تجربے کو بھی تسلیم کیا ہے۔ تسخیر کائنات قرآنی علوم کا ایک اہم مقصد ہے تاکہ نیکیاں پھیلیں، انسانوں کی فلاح و سعادت کے سامان مہیا ہوں اور کلمہ اللہ تمام عالم پر چھا جائے۔ قرآن مجید کی رو سے انسانی علم معرفتِ خداوندی کے علاوہ ایک مقصدی سلسلہ عمل بھی ہے۔ علم کے ساتھ اعمال صالحہ لازم و ملزوم ہیں۔ علم کا ایک مقصد خدا کی معرفت اور دوسرا تزکیہ نفس ہے۔ ایک اور مقصد اجتماع انسانی کی تہذیب ہے، جو عمومی فلاح و خیر کا باعث ہو۔ علم کا ایک اور مقصد مشاہدہ کائنات اور تحقیق و جستجوئے اشیاء (علم الاشیاء) اور خدا کی حکمتوں کی دریافت ہے۔

بے نفع علم اور بے عمل حکمت قرآنی کے خلاف ہے۔ مگر یہ نافعیت مغرب کے Pragmatism سے مختلف ہے۔ قرآن مجید کی پیش کردہ نافعیت خود غرضی سے پاک ہے اور اس میں دین و دنیا دونوں کا نفع پایا جاتا ہے۔ ان عظیم اصولوں کے تحت اسلام کی علمی تحریک نے عالم گیر اثرات پیدا کیے اور باوجودیکہ بیرونی حملہ آوروں نے بار بار اس تحریک کو تہہ و بالا کیا، مگر قرآن مجید کے گہرے نفوذ کی وجہ سے یہ تحریک ہر بار خود کو از سر نو منظم کرنے میں کامیاب ہوتی رہی۔ یہاں تک کہ تاتاریوں کی تباہ کن یلغار سے اگرچہ مسلمانوں میں عقل تجربی والے سائنسداں اور ان کے معمل (Laboratories) برباد ہوگئے جس کے باعث اسلامی تجربی تحریک جاری نہ رہ سکی، تاہم مسلمانوں کی علمی تحریک جدید مغربی غلبے کے آغاز تک شائستگی

کردار اور عمومی فلاح وسعادت کا بہت بڑا وسیلہ ثابت ہوئی اور مغرب نے اس سے بہت کچھ سیکھا۔

مسلمانوں کی اس علمی تحریک کی ایک خصوصیت اس کی حرکت (Dynamism) تھی، جو عقائد و افکار کو زندگی کی حرکت (عمل) کا ذریعہ بناتی رہی۔ ذہن سے خارج کی طرف سفر اس کا خاصہ تھا۔ عقیدے کی خاطر مسلمان دنیا میں پھیلتے رہے۔ انھوں نے جمادات، حیوانات، جغرافیہ ارضی اور طبعی احوال، یعنی پانیوں، سمندروں، جڑی بوٹیوں، درختوں، پودوں، پرندوں، گھوڑوں، اونٹوں، قبیلوں اور نسلوں کی اقسام وغیرہ کا مشاہدہ کیا اور کتابیں لکھیں اور ان کے لیے سفر اختیار کیے۔

اسلامی تحریک علمی کی دوسری خصوصیت عملیت ہے۔ عملیت سے مراد ان مقاصد کا ذوق ہے جو فرد واجتماع دونوں کے لیے مفید ہوں۔ مسلمانوں نے بے مقصد اور بے نفع علوم کی حوصلہ افزائی نہیں کی۔

اس کی تیسری خصوصیت کلیت یا سالمیت ہے، یعنی مسلمانوں نے زندگی کو اس کے اجزاء کے حوالے سے نہیں دیکھا، بلکہ کل کو مد نظر رکھا (یعنی خارج کے ساتھ باطن، حواس و تخیل کے ساتھ عقل و روح اور دنیا کے ساتھ آخرت)۔ دنیا میں پہلی مرتبہ مسلمانوں نے ہی علم میں آفاقی (Universal) نظریہ قائم کیا۔ دنیا کی عمومی عالمگیر تاریخ لکھنے کا رواج مسلمانوں سے شروع ہوا۔ اپنے مذہب کے علاوہ دوسرے مذاہب کے تذکرے بھی سب سے پہلے مسلمانوں نے ہی مرتب کیے، کیونکہ قرآن مجید نے خود سب مذاہب کا تذکرہ کیا ہے۔ اس طرح وہ رجحان جسے آج کل World View کہا جاتا ہے مسلمانوں کا ہی پیدا کردہ ہے (14)۔

ایک اہم قابل ذکر بات یہ ہے کہ مسلمانوں نے علم کو نیکی کے حصول کا ذریعہ بنایا۔ ذہانت کے فروغ کے ساتھ ساتھ انسانی ہمدردی اور انسانیت کے جذبے کی تقویت کو مقصود قرار دیا۔ ذوق نیکی کے ساتھ ساتھ زندگی کے نظم اور ادب و شائستگی کی جستجو اور حکمت خداوندی کی دریافت کی بے غرض لگن اسی علمی تحریک کے نتائج ہیں۔

یورپ کی نشاۃ الثانیہ (Renaissance) پر مسلمانوں کی علمی تحریک کے اثرات:

یورپ کی موجودہ تہذیب پر مسلمانوں کی علمی تحریک کا بہت بڑا احسان یورپ میں طریق تجزیہ و تجربہ کا آغاز ہے، جس سے سائنسی طریقے کار اور عمل کی طرف توجہ ہوئی۔ ابتداء میں یہ عمل عقلی انسیت (Rational Humanism) کی شکل میں ظاہر ہوا۔ بیکن (Bacon) کی مشہور کتاب Advancement Of Learning اسی رجحان کی آئینہ دار ہے۔ بعد میں اہل

> ولیم آف نارمنڈی کے ساتھ بیشمار یہودی فضلاء، جنھوں نے مسلمانوں سے علوم حاصل کیے تھے، انگلستان پہنچے، جہاں آکسفورڈ میں انکے ہاتھوں پہلا اسکول قائم ہوا۔ اسی اسکول میں راجر بیکن (1214ء تا 1293ء) نے عربی زبان اور علوم حکمیہ حاصل کیے۔ یہ وہی راجر بیکن ہے جس کے سر یورپ میں تجربی علم کا سہرا ہے۔

مغرب نے سائنسی اکتشافات کی طرف قدم بڑھایا۔ عربوں کے علوم وفنون کے اثرات کا عقلی اثر یہ ہوا کہ درایت (مشاہدہ اور عقلی تجربہ) کی رسم پڑی۔ اس وجہ سے یورپ نے استقراء سے کام لینا شروع کیا اور سائنس اور ریاضی کی طرف توجہ زیادہ ہوئی، اس لیے کہ ان کی بنیاد مشاہدہ و تجربہ پر ہے۔ اسلامی علوم وفنون اور ان کے اسالیب کے زیر اثر یورپ میں نشاۃ الثانیہ کی تحریک ابھری (15)۔

اسلامی علوم فنون نے کچھ تو ہنگری اور بلقانی ریاستوں کے راستے اور زیادہ تر اندلس اور صقلیہ کے راستے یورپ میں نفوذ کیا۔

خلافت اندلس میں پوری علمی آزادی حاصل تھی۔ طلیطلہ اور قرطبہ کے مضافات میں بیشمار خانقاہیں تھیں، جو مسافروں کے لیے اقامت گاہوں کا کام دیتی تھیں۔ یورپ کے تمام ممالک سے طالبانِ علم عربوں کے علمی مرکزوں کا رخ کرتے تھے۔ صقلیہ میں نارمنوں اور فریڈرک دوم اور اس کے جانشینوں نے مختلف علوم فنون (فلسفہ، سائنس اور طب) کی کتابیں لاطینی میں بکثرت ترجمہ کرائیں۔ یورپ میں اندلس کے اسلامی علوم وفنون کی اشاعت بھی فریڈرک کے واسطے سے اطالیہ اور صقلیہ کی راہ سے ہوئی اور فلسفہ وطب کے علاوہ دیگر علوم کی کتابیں بھی لاطینی زبان میں ترجمہ کی گئیں۔ عربی کتابوں کے عبرانی اور لاطینی تراجم یورپ کے لیے سر چشمہ رحمت ثابت ہوئے۔ ولیم آف نارمنڈی کے ساتھ بیشمار یہودی فضلاء، جنھوں نے مسلمانوں سے علوم حاصل کیے تھے، انگلستان پہنچے، جہاں

> مسلمانوں نے علم تاریخ کو اتنی ترقی دی کہ تاریخ نویسی کے سائنسی انداز کی موجودہ مغربی تحریک بھی وہاں تک نہیں پہنچ سکی۔ واقعات لکھتے وقت ہر فقرے کے لیے ماخذ کا التزام مسلمانوں کا دستور رہا ہے، جو اب علمائے یورپ کا معمول بھی ہے۔

آکسفورڈ میں ان کے ہاتھوں پہلا اسکول قائم ہوا۔ اسی اسکول میں راجر بیکن (1214ء تا 1293ء) نے عربی زبان اور علوم حکمیہ حاصل کیے۔ یہ وہی راجر بیکن ہے جس کے سر یورپ میں تجربی علم کا سہرا ہے۔ مسیحی یورپ نے مسلمانوں کے علوم راجر بیکن سے سیکھے تھے، جس نے خود آکسفورڈ کے علاوہ پیرس میں قیام کرکے مسلمانوں کے علوم سیکھے تھے۔ وہ برملا اعتراف کرتا تھا کہ اس کے معاصرین کے لیے علم صحیح کا واحد ذریعہ صرف عربی زبان اور اس کے علوم ہیں۔ اسے اقرار تھا کہ اس نے ارسطو کا فلسفہ ابن رشد کی تصانیف کے تراجم سے سمجھا ہے(16)۔

فلسفہ (Philosophy)

مسلمانوں نے ہی مغرب کو فلسفہ یونان سے آشنا کیا اور یونانی حکمت سے یورپی اہم علم کو اس وقت شغف پیدا ہوا جب وہ عربی فکر سے آشنا ہوئے۔ یورپ پر گہرا اور دیرپا اثر بوعلی سینا کے لاطینی تراجم سے ہوا۔ بوعلی سینا نے جو تصورات یورپ کو دیئے ہیں ان میں معقولات (Intentio) بالخصوص قابل ذکر ہے، جس کے معنی ہیں وہ چیزیں جو عقل سے سمجھ میں آسکیں۔ اپنے زمانے کا مشہور صاحب علم البرٹس میگنس (Albertus Magnus) (1193ء تا 1280ء) ابن سینا کے علاوہ الفارابی اور ابن رشد کے افکار سے بھی مستفید ہوا۔ اس کے افکار کا ماخذ ابن میمون کے عربی تراجم تھے۔ البرٹس میگنس کا بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے ارسطو کے فلسفے کو لاطینی ثقافت میں سمودیا۔

مغرب کے مصنف الفارابی کی تصانیف سے بھی حیرت انگیز طور پر متاثر ہوئے۔ بعض اہم مسائل میں الفارابی اور سینٹ تھامس ایکوئناس (St.Thomas Aquinas) (1214ء تا 1292) میں حیرت انگیز مشابہت پائی جاتی ہے، مثلاً عقل انسانی کی اہمیت، وجود باری تعالیٰ، توحید ذات، عرفان الٰہی کا امکان، کلام الٰہی کا ذہن انسانی پر وارد ہونا، اسمائے باری تعالیٰ، معجزات کا دلیل نبوت ہونا اور حشر اجساد وغیرہ (17)۔

علم تاریخ (History)

اس علم کے ساتھ مسلمانوں سے زیادہ کسی نے اعتنا نہیں کیا۔ مسلمانوں سے پہلے تاریخ محض واقعات (بلا سند) پر مبنی تھی، جسے توہم و تفاخر اور قصۂ داستان کا مجموعہ سمجھا جاسکتا ہے۔ مسلمان چونکہ امر واقعہ کی صداقت کے جویا رہتے تھے، لہٰذا انھوں نے علمی بنیادوں پر علم تاریخ کی بنیاد قائم کی، جس کے لیے انھوں نے شہادت، رویت، درایت تینوں کو اہمیت دی۔ انھوں نے ہر قسم کی روایتوں میں سند کی مسلسل جستجو کی اور راویوں کے حالات اس سعی و تلاش سے بہم پہنچائے کہ اسے ایک عظیم

فن بنادیا۔ الطبری کی تاریخ الرسل والملوک، البلاذری کی فتوح البلدان، ابن الاثر کی الکامل اور ابن سعید کی طبقات، اسی طرح البدایہ والنہایہ تاریخ اور سوانح کی عظیم کتابیں ہیں۔ جن کی مثال نہیں ملتی۔ سنہ وار واقعات کا بیان بھی عرب مؤرخین کی امتیازی خصوصیت ہے۔ عبدالرحمٰن ابن خلدون فلسفہ تاریخ اور علم الاجتماع (Sociology) کا موجد ہے۔ المسعودی نے فن تاریخ کا انسائیکلو پیڈیا تیار کیا۔

> مسلمانوں نے ایمونیا، نائٹرک ایسڈ، ہائیڈرو کلورک ایسڈ، پوٹاش، کلورائیڈ آف مرکری، گندھک کے تیزاب، الکحل اور صابن جیسی چیزوں سے دنیا کو روشناس کرایا، ان کے تناسبات اور امتیاز کو معلوم کیا، گیسوں کی خاصیتیں دریافت کیں اور زہریلی معدنیات کو نہایت مفید ادویات میں تبدیل کردیا۔ غرض علم کیمیا اپنے ارتقاء اور اصلیت کے لیے اہل عرب کی سعی و کوشش کا رہین منت ہے۔

مسلمانوں نے علم تاریخ کو اتنی ترقی دی کہ تاریخ نویسی کے سائنسی انداز کی موجودہ مغربی تحریک بھی وہاں تک نہیں پہنچ سکی۔ واقعات لکھتے وقت ہر فقرے کے لیے ماخذ کا التزام مسلمانوں کا دستور رہا ہے، جو اب علمائے یورپ کا معمول بھی ہے (18)۔

علم جغرافیہ (Geography)

مسلمانوں نے علم جغرافیہ کو بھی بے حد ترقی دی۔ انھوں نے دور دراز ممالک کے سفر کیے تمام دنیا کے عجائبات دریافت کیے، حدود زمین کی پیمائش کی اور مختلف اقوام و ملک کے حالات لکھے۔ اس بناء پر کہا جاسکتا ہے کہ مسلمانوں کا جغرافیہ ذاتی مشاہدات پر مبنی تھا۔ انھوں نے ایسے سفر نامے مرتب کیے جن سے دنیا کے ان ممالک کے حالات معلوم ہوئے جہاں اہل یورپ کا گزر تک نہ ہوا تھا۔ المقدسی نے اس موضوع پر انسائیکلو پیڈیا تیار کیا۔ مشہور جہاز راں واسکوڈی گاما جب افریقہ کے سمندروں میں بھٹک رہا تھا اور اسے ہندوستان کی سمت نہیں مل رہی تھی تو ایک عرب جہاز راں احمد ابن مجید نے اس کی رہنمائی کی اور اسے ہندوستان کے راستے پر ڈالا۔ ابو عبداللہ ابن بطوطہ، ابن جبیر، ابوریحان البیرونی کے سفر نامے معلومات کے خزانے ہیں۔ الادریسی کی نزہۃ المشتاق یورپ کے جغرافیہ نویسوں کا واحد ماخذ رہا ہے۔ شاید دنیا کا پہلا نقشہ مسلمانوں ہی کا بنایا ہوا تھا۔

علم ہئیت و نجوم (Astronomy And Astrology)

اس فن کو باقاعدہ علم کے درجے پر پہنچانے والے مسلمان علماء ہی تھے۔ انھوں نے ان تمام ستاروں کی فہرست تیار کی جو اس حصہ آسمان پر نظر آتے تھے جو ان کے مقابل تھا اور بڑے بڑے ستاروں کے نام رکھے، جو آج تک تبدیل نہیں ہوئے۔ انھوں نے یہ اصول دریافت کیا کہ شعاع نور فضاء میں بہ شکل قوس (Arc) گزرتی ہے۔ چاند اور سورج کے افق پر نظر آنے کی توجیہ کی اور بتایا کہ یہ اجرام فلکی قبل از طلوع اور بعد از غروب کیوں دکھائی دیتے ہیں۔ علاوہ ازیں انھوں نے شفق کی اصلیت اور ستاروں کے جھلملانے کی صحیح وجہ دریافت کی۔ یورپ میں جو پہلی رصد گاہ (Observatory) قائم ہوئی وہ مسلمانوں ہی کی بنائی ہوئی تھی۔ اجرام فلکی کی نقل و حرکت کے متعلق مسلمانوں کی تحقیقات کا اندازہ اس امر سے ہوسکتا ہے کہ زمانہ حال کے ماہرین ریاضیات نے ان کے رصدی نتائج (Observations) سے استفادہ کیا ہے (19)۔ یورپ کے قرون وسطیٰ میں احیائے علوم کی طرف جو پہلا قدم بڑھایا گیا وہ الفرغانی کی کتاب "مبادیات علم نجوم" کا ترجمہ تھا (20)۔ ابن منصور کی اس موضوع پر لکھی گئی کتاب "کتاب الاعمال" آج بھی مستند مانی جاتی ہے۔

علم المناظر والمرایا (Optics)

یورپ کے "الہیزان" (Alhazan) (21)ابن الہیثم کی کتاب "الفجر الشفق' سے کیپلر (Kepler) کو انعکاس کرۂ ہوائی (Reflection In Air) کا علم ہوا۔ ابن الہیثم کی دوسری عظیم کتاب "کتاب المناظر" ہے، جس کا لاطینی زبان میں ترجمہ ہوا تھا اور جس سے کیپلر نے اپنی کتاب مناظر میں بہت کچھ استفادہ کیا ہے۔ اس میں آئنوں کے نقطہ اجتماع الضوء (Convergence Of light to a Point)، ان میں تماثیل (Images) کے ظاہری مقامات اور مسئلہ انعطاف شعاعی (Refraction Of Light) کا بظاہر بڑا پن، وغیرہ مسائل سے بحث کی گئی ہے۔ ابن الہیثم کی اس کتاب کو یورپ کی معلومات علم مناظر کا ماخذ خیال کیا جاتا ہے (22)۔

> مسلمانوں نے یورپ میں تین ایسی ایجادیں رائج کیں جن میں سے ہر ایک نے دنیا میں حیرت انگیز انقلاب پیدا کردیا۔ قطب نما جس کی برکت سے یورپ دنیا کے بعید ترین کناروں تک پہنچ گیا، بارود جس نے پرانے جنگجوؤں کے اقتدار کا خاتمہ کردیا اور کاغذ جس سے کتابوں کی اشاعت میں آسانی پیدا ہوئی۔

الجبر والمقابلہ (Algebra)

خود الجبرا کے لفظ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے موجد مسلمان ہی ہیں۔ مسلمانوں نے علوم ریاضیہ کو بہت ترقی دی۔ ابو جعفر محمد ابن موسی الخوارزمی کی کتاب الجبر والمقابلہ کے انگریزی ترجمہ سے اہل یورپ نے بہت کچھ استفادہ کیا ہے (23)۔ علم ریاضی کی ایک اہم شاخ Algorithm اسی الخوارزمی کے نام پر ہے۔ نالینو (Nalino) نے الخوارزمی کی کتابوں کی مدد سے یہ ثابت کیا ہے کہ اس فن میں مسلمان ہی یورپ کے استاد تھے۔

علم ہندسہ (Geometry)

رقوم ہندسیہ اہل ہند کا علم ہے۔ تاہم یورپ میں سب سے پہلے رقوم ہندسیہ کو روشناس کرانے والے مسلمان ہی تھے۔ اپنے وقت میں مشینوں کی ایجاد میں مسلمان کسی سے پیچھے نہ تھے۔ اس کی شہادت ان عظیم جنگوں کی تنظیم سے ملتی ہے جن میں مسلمانوں کی بالا دستی مسلم ہے اور اس بالا دستی کی ایک وجہ مشینوں کا استعمال تھا۔ ڈاکٹر لیبان (Le Bon) کے مطابق مسلمانوں نے میکانیکس کے آلات ایجاد کیے اور اس بارے میں یورپ ان کا شاگرد بنا (24)۔ میکانیکی سائنس پر حکیم جزری نے تیرہویں صدی عیسوی میں ایک زبردست تحقیقی کتاب لکھی۔ آبی گھڑی مسلمانوں کی ایجاد ہے۔

علم الکیمیا (Chemistry)

مسلمانوں نے مختلف قسم کے تیزابوں کی ایجاد اور علمی نقطہ نظر سے علم کیمیا کی صحیح بنیاد ڈالی۔ انھوں نے ایمونیا، نائٹرک ایسڈ، ہائیڈرو کلورک ایسڈ، پوٹاش، کلورائیڈ آف مرکری، گندھک کے تیزاب، الکحل اور صابن جیسی چیزوں سے دنیا کو روشناس کرایا، ان کے تناسبات اور امتیاز کو معلوم کیا، گیسوں کی خاصیتیں (Properties Of Gases) دریافت کیں اور زہریلی معدنیات کو نہایت مفید ادویات میں تبدیل کردیا (25)۔ غرض علم کیمیا، اپنے ارتقاء اور اصلیت کے لیے اہل عرب کی سعی و کوشش کا رہین منت ہے۔ یورپ کا "گیبر" (Gaber) (26) جابر بن حیان کو علم کیمیاء کا باوا آدم کہا جاتا ہے۔

علم طب (Medicine)

مسلمانوں کی طب سے یورپ ہمیشہ فائدہ اٹھاتا رہا ہے۔ یورپ میں علم طب کا سب سے پہلا مدرسہ سلرنو (جنوبی اٹلی) کا تھا جسے مسلمانوں نے قائم کیا تھا۔ اس کے علاوہ بارہویں

صدی عیسوی کے بعد یورپ میں متعدد یونیورسٹیاں قائم ہوئیں، جو علوم جدیدہ کا مرکز بن گئیں۔ مثلاً بولونیہ (Bologne)پادودہ (Padova) اور پیرس، جہاں تعلیم و تدریس کی بنیاد قدیم مصنفین کے عربی تراجم پر تھی۔ وی آنا (Vienna) (1520ء) اور فرینکفرٹ (1588ء) میں طب کا نصاب بو علی سینا کی القانون اور الرازی کی الحاوی اور المنصوری پر مبنی تھا۔ ابن زہر اندلسی نے طب کے موضوع پر ایسی کتابیں لکھیں جو آج بھی مستند ہیں۔ ان کی کتاب "التاثیر" دواؤں کے خواص اور طریقہ علاج کے سلسلے میں اپنے موضوع پر حرف آخر اور سند مانی جاتی ہے۔ ابن خطیب اندلسی نے طاعون کے اسباب کے متعدی (Contagious) ہونے اور اس کے پیشگی تحفظات و پیش بندیوں کے اصول مقرر کیے۔ پتھری کا نکالنا اور چیچک کا علاج مسلمانوں کی اولیات ہیں۔

نظریہ ارتقاء(Theory Of Evolution)

نظریہ ارتقاء(Theory Of Evolution) کا موجد چارلس ڈارون (Charles Darwin) سمجھا جاتا ہے، جس نے حیاتیات میں نسل انسانی کو ایک ارتقاء یافتہ مخلوق قرار دیا ہے۔ اس نے ثابت کیا ہے کہ پہلے حیات کا آغاز جمادات کے ترقی یافتہ مواد سے ہوا جس نے نباتات کی شکل اختیار کی، اس کے بعد ترقی کر کے اس میں حیوان کے خصائل پیدا ہوئے اور وہ حیوان اب ترقی یافتہ انسان ہے۔ اس ارتقائی حقیقت کو مسلمان صدیوں پہلے معلوم کر چکے تھے۔ ان حکمائے اسلام میں مصنفین اخوان الصفاء، ابن مسکویہ، نصیر الدین طوسی، نظام عروضی سمرقندی اور مولانا روم قابل ذکر ہیں۔ مگر مسلم حکماء نے قرآنی عقیدہ کی تخلیق آدم کو نظر انداز نہیں کیا۔ ادھر حکمائے یورپ میں سے بعض تخلیق خاص (Special Creation) کے بھی قائل ہیں اور ڈارون کے سارے نتائج سے متفق نہیں ہیں۔ ہربرٹ اسپنسر (Herbert Spencer) کا نظریہ Emergent Evolution بھی اس سلسلے میں قابل غور ہے۔ مسلمان حکماء نے جن خیالات کا اظہار کیا ہے وہ حرف بہ حرف وہی ہیں جو انیسویں صدی کے آخر میں ڈارون، اسپنسر اور ہکسلے (Huxley) وغیرہ کی زبان سے ادا ہوئے (27)۔

علم ادب (Literature)

مسلمانوں کے علوم نے یورپی ادبیات کو کافی متاثر کیا۔

> مسلمانوں نے صرف علوم و فنون سے یورپ کو نئی زندگی نہیں عطا کی، بلکہ اسلامی تہذیب کے بیشمار اثرات نے یورپ کی سماجی زندگی میں انقلاب پیدا کر دیا۔ اہل یورپ مسلمانوں کے اخلاق و اعمال سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے اور ان میں اپنے وحشیانہ اخلاق و اوضاع کو دور کرنے کا جذبہ پیدا ہوا...... مذہبی اصلاح کے اسی جذبے نے مذہبی انقلاب کی صورت اختیار کر لی جس کا ظہور پروٹسٹنٹ مذہب کے نام سے ہوا۔ فرقہ پروٹسٹنٹ کا بانی مارٹن لوتھر تھا، جس نے قرطبہ اور طلیطلہ میں عربی فلسفے اور علوم اسلامیہ کی تعلیم پائی تھی۔ اس لیے یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ اسلام کے ہی مطالعے سے لوتھر کو کیتھولک چرچ میں اصلاح کا خیال پیدا ہوا۔

پروفیسر آسن پلاسیس (Asin Palaceis) نے دعویٰ کیا ہے کہ مسلمانوں کے علم کائنات اور معراج رسول اللہ ﷺ کی حکایات اور ابن العربی (شیخ محی الدین محمد بن علی 1165ء تا 1240ء) کی کتابوں کے عناصر دانتے (Dante) کی طربیہ خداوندی (Divina Commedia) کا ماخذ ہیں۔ اسی طرح ابن العربی کے فلسفیانہ خیالات اور مسلمان صوفیہ کے تصور عشق کا

عکس دانتے کی نظموں میں پایا جاتا ہے (28)۔ الف لیلہ کی داستان نے مغرب پر خاص اثر ڈالا جس سے بوکیشیو جیوانی (Boccacio Giovanni) کی ڈیکامیرن (Dacameron) اور اٹلی اور فرانس میں قصہ نویسی کی مختلف صورتوں کو فروغ نصیب ہوا۔

مسلمانوں نے یورپ میں تین ایسی ایجادیں کیں جن میں سے ہر ایک نے دنیا میں حیرت انگیز انقلاب پیدا کر دیا (1) قطب نما، جس کی برکت سے یورپ دنیا کے بعید ترین کناروں تک پہنچ گیا۔ (2) بارود، جس نے پرانے جنگجوؤں کے اقتدار کا خاتمہ کر دیا اور (3) کاغذ، جس سے کتابوں کی اشاعت میں آسانی پیدا ہوئی۔

دیگر اثرات

مسلمانوں نے صرف علوم و فنون سے یورپ کو نئی زندگی نہیں عطا کی، بلکہ اسلامی تہذیب کے بیشمار اثرات نے یورپ کی سماجی زندگی میں انقلاب پیدا کر دیا۔ اہل یورپ مسلمانوں کے اخلاق و اعمال سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے اور ان میں اپنے وحشیانہ اخلاق و اوضاع کو دور کرنے کا جذبہ پیدا ہوا۔

مذہبی اصلاح کے اسی جذبے نے مذہبی انقلاب کی صورت اختیار کر لی جس کا ظہور پروٹسٹنٹ مذہب کے نام سے ہوا۔ فرقہ پروٹسٹنٹ کا بانی مارٹن لوتھر تھا، جس نے قرطبہ اور طلیطلہ میں عربی فلسفے اور علوم اسلامیہ کی تعلیم پائی تھی۔ اس لیے یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ اسلام کے ہی مطالعے سے لوتھر کو کیتھولک چرچ میں اصلاح کا خیال پیدا ہوا۔

فلاح عامہ کے لیے عمارات مسلمانوں کے ہر دور میں ملتی ہیں۔ مدارس، شفاخانے، سرائیں، پل، حمام، ہر دور میں بنتے رہے۔ فن تعمیر میں بعض اسالیب، باغ آرائی کے طریقے، آرائش کتاب کی حسین صورتیں، تذہیب، خطاطی اور مصوری مسلمانوں کے لیے وجہ امتیاز تھیں۔ مغرب ان کے اثرات سے بے نیاز نہیں رہ سکتا تھا۔

مسلمانوں نے مذہبی اصلاح کے علاوہ یورپ کو معاشرتی مساوات (کالے گورے کے فرق کو مٹانا) حریت، اخوت، عدل اور انسان دوستی کا سبق بھی دیا اور اندلس اور صقلیہ میں اس پر عمل بھی کر کے دکھادیا۔

اسلام نے یورپ کے علوم و فنون کے علاوہ اس کے تمدن تہذیب و معاشرت، صحت و صفائی، طہارت و پاکیزگی، پابندی وقت اور ضابطہ پسندی وغیرہ پر گہرا اثر ڈالا ہے۔ موجودہ یورپ کی علمی، فکری اور مذہبی بیداری مسلمانوں کی ہی مرہون منت ہے اور اس کے کئی عسکری اور تنظیمی ادارے مسلمانوں کے اثر کے عکاس ہیں۔

> روز نتھال نے بھی کچھ اسی انداز میں اپنی کتاب Knowledge Triumphant میں خراج تحسین ادا کرتے ہوئے لکھا ہے: "اسلام نے علم پر اتنا ہمہ جہت زور دیا ہے کہ اس کے زیر اثر قرون وسطیٰ کی اسلامی تہذیب و ثقافت نے بڑے بڑے علماء اور مفکرین پیدا کیے۔ یہ اسلامی تہذیب کا ایسا کارنامہ ہے کہ جس کی فیض رسانی سے عالم انسانیت تاابد مستفید ہوتا رہے گا اور علم کو جو مرکزی اہمیت اسلام نے دی ہے اس کی نظیر کسی اور تہذیب میں نہیں ملتی۔"

مغرب میں عملی تحریک آج شباب پر ہے اور یہ کہنا بے محل نہ ہوگا کہ قیمت اور معنی کے اعتبار سے مسلمانوں کے علوم آج کے ترقی یافتہ علوم کے ہم سنگ ہیں۔ بریفالٹ کے بقول "ہم جس چیز کو سائنس کے نام سے موسوم کرتے ہیں وہ ان امور کا نتیجہ ہے جس سے تحقیق کی نئی روح پیدا ہو گئی، تفتیش کے نئے طریقے معلوم کیے گئے، تجربے، مشاہدے اور پیمائش کے اسلوب اختیار کیے گئے۔ ریاضیات کو ترقی دی گئی اور یہ سب ایسی

شکل میں نمایاں ہوا جس سے یونانی بے خبر تھے۔ یورپ میں اس روح اور ان اسالیب کو رائج کرنے کا سہرا عربوں کے سر ہے (29)۔ روز نتھال نے بھی کچھ اسی انداز میں اپنی کتاب Knowledge Triumphant میں خراج تحسین ادا کرتے ہوئے لکھا ہے: ''اسلام نے علم پر اتنا ہمہ جہت زور دیا ہے کہ اس کے زیر اثر قرون وسطیٰ کی اسلامی تہذیب و ثقافت نے بڑے بڑے علماء اور مفکرین پیدا کیے۔ یہ اسلامی تہذیب کا ایسا کارنامہ ہے جس کی فیض رسانی سے عالم انسانیت تا ابد مستفید ہوتا رہے گا اور علم کو جو مرکزی اہمیت اسلام نے دی ہے اس کی نظیر کسی اور تہذیب میں نہیں ملتی۔'' (30)۔

دور جدید میں مسلمانوں کا نظریہ علم

مغرب کے سیاسی غلبے کے ساتھ ساتھ مغربی افکار بھی پھیلے اور غالب آتے گئے، جن کے زیر اثر تاریخ میں پہلی مرتبہ مسلمانوں میں اسلام کی سالمیت، قطعیت اور کلیت کے بارے میں تشکیک پیدا ہوئی، بلکہ قرآن مجید کے بارے میں تاویل قبیح اور تحریف مطالب کا بھی آغاز ہوا۔

مغربی افکار کی اشاعت کے بعد (جن کا اثر سب سے پہلے ترکی، مصر اور پھر برصغیر ہند و پاک پر ہوا) چند اہم سوال سامنے آئے مثلاً:

(الف) کیا علم کا نظریہ قوانین فطرت (Natural Law) کے مطابق ہے؟

(ب) کیا اسلام کا علمی تصور اور تجزیہ جدید سائنس اور جدید معقولات کے سامنے ٹھہر سکتا ہے؟

(ج) کیا اسلام کا علمی نظریہ سائنسی تجربوں سے حاصل شدہ افکار کی رو سے صحیح ثابت کیا جاسکتا ہے؟

(د) علم الحیاۃ (Biology)، عمرانیات (Sociology)، نفسیات (Psychology)، اقتصادیات (Economics) اور جدید طبیعیات (Modern Physics) خصوصاً خلائی (Spatial) اور ایٹمی شعبہ ہائے علم (Nuclear Science) نے اسلام کے علمی مسلمات کو رد نہیں کر دیا؟

گزشتہ ڈیڑھ سو برسوں میں یورپ کے علمی غلبے کے باعث اسلام کے علمی نظریات کے بارے میں شبہات بار بار سامنے آئے اور ان پر اضافہ یہ بھی ہوا کہ مستشرقین (Orientalists) کے ایک گروہ نے تاریخ نگاری کے پردے میں مسلمانوں کی تہذیبی و علمی تاریخ پر اندر سے حملے کیے اور ثابت کیا کہ علم میں مسلمانوں کا حصہ کم سے کم تھا اور جو یونانیوں، عجمیوں، عیسائیوں، یہودیوں اور ہندوؤں سے حاصل کردہ تھا۔

> افسوس کہ بابر کے جانشینوں میں (سوائے اورنگ زیب عالمگیر کے) کوئی بھی مامون الرشید نہ تھا سب کے سب محمد امین جیسے تھے جو شکار کھیلتا تو اس کے لیے مچھلیوں کے نتھنوں میں موتی پروئے جاتے تھے، جسے گویئے گھیرے رہتے تھے اور جو عورتوں سے مشورہ کرتا نظر آتا تھا۔ مغلوں کے یہاں علم کو وہ اکرام نصیب نہ ہو سکا جو تلوار کو حاصل تھا۔

یہاں ان مخلصانہ کوششوں کے تذکرے اور ان کی تردید کی گنجائش نہیں۔ یہاں تو صرف یہ معلوم کرنا ہے کہ مسلمان علماء نے اس نئے اور عجیب و غریب تجربے سے نباہ کس طرح کیا۔

بظاہر اس کی تین صورتیں نظر آتی ہیں: (الف) مغرب کے سامنے کامل مغلوبیت (ب) معذوری مفاہمتی کوششیں (ج) اثباتی پیش قدمی۔ یورپ کی علمی یلغار نے سب سے پہلے ترکی، ایران اور مصر کو فتح کیا تو ان ممالک میں ایسے علماء پیدا ہوئے جنھوں نے اسلام کو برحق مذہب مانتے ہوئے بھی یورپ کی سائنسی اور معقولاتی یورش کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے۔ ترکی میں ضیاء گوکب الپ اور اس کے ساتھیوں نے علم و معاشرت کے قدیم انداز کو یکسر نظر انداز کرنے کی سفارش کی۔ مصر میں مفتی محمد

عبدہ اور ان کے شاگردوں نے بظاہر مفاہمتی مقاومت اختیار کی۔ لیکن عملاً معذرتی انداز اختیار کیا۔ قاسم امین اور طہٰ حسین (اور بعد میں حسین هیکل) خالص مغربی تصور پر مرمٹے۔ جہاں تک سید جمال الدین افغانی کا تعلق ہے، ان کی تحریک عملی سے زیادہ سیاسی تھی اور مثبت تھی تاہم انھوں نے اس سیاسی کشمکش میں مغرب کی علمی بالادستی کو تسلیم کر کے دینی فکر میں قدرے مفاہمت کا رنگ اختیار کیا۔ ان کے بعض شاگردوں کے لہجے میں پہلے معذرت کا اور بعد میں خالص تشکیکی بلکہ مخالفانہ انداز پایا جاتا ہے۔ انھوں نے طبعی علوم (Natual Science) کے نظریوں اور جدید منطق کو قبول کر کے تاویل کی ایسی صورتیں نکالیں جن سے قرآن مجید کی تکذیب کو ٹالا جاسکتا تھا، مگر اس کی تصدیق کی ایمان پرور تحریک کو ضعف پہنچا (31)۔

مصر میں جوں جوں سائنسی تعلیم کو فروغ ہوتا گیا اور جدید معقولات بھی اشاعت پذیر ہوئیں تو اس سے تشکیک کی لہر اور تیز ہوگئی، مگر اس اثناء میں یہ فائدہ ہوا کہ مغربی سائنسی معقولات کی تنقید و تجزیہ کا سلسلہ مغربی علماء نے خود شروع کر دیا اور تسلیم شدہ نظریات کی تردید و ترمیم کی غرض سے کتابیں لکھی جانے لگیں۔ اس سے ان تجدید پسند مصنفین کا موقف خود ہی بے آبرو ہونے لگا۔ مزید برآں ادھر مغرب میں اسلام کا مطالعہ قدرے وسیع القلبی سے ہونے لگا اور اسلام کے رویوں کے حق میں گفتگو کرنے والے بہت سے مغربی علماء پیدا ہوگئے۔ ان میں لیبان (Le Bon)، ڈریپر (Draper)، براؤن (Brown)، نکلسن (Nicholson) اور بریفالٹ (Briffaut) وغیرہ کے نام ممتاز ہیں (32)۔

اس تجزیہ نو کے تحت مصر کے جدید حلقوں میں اسلام اور اس کے علمی تصورات کے حق میں اثباتی آوازیں اٹھنے لگیں۔ اس سلسلے میں جن نامور اہل علم نے غیر معمولی کام کیا ان میں محمد احمد شاہ، شہید حسن البناء، الساعاتی، المراغی، جمال الدین قاسمی، احمد الزرقاء، صبحی صالح اور ابو زہرہ وغیرہ ممتاز ہیں۔ جدید ترین دور میں اخوان المسلمین کی تحریک نہ صرف اثباتی تھی بلکہ ان کا اسلام کے حق میں ایک جارحانہ انداز تھا۔ دلیل کے بغیر اسلام کی حقانیت پر یقین اس کا خاص نعرہ تھا۔ تاہم اس مسلک نے عقلی اور سائنسی تجزیہ کا دامن ترک نہیں کیا۔ مثال کے طور پر سید قطب شہید اور ان کے بھائی محمد قطب اور حسن البناء وغیرہ نے عقل کو تسلیم کیا ہے، مگر فلسفے کو مشکوک ٹھہرایا، کیونکہ فلسفے کے تصورات ہر روز تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ بلاشبہ سائنسی تجربہ برحق ہوتا ہے اور حکمت خداوندی کا مظہر ہے، مگر سائنسی تجربہ ایک غیر جانبدار طریق کار ہے۔ اس کا مذہب سے تصادم نہیں ہوتا، البتہ سائنسی فلسفہ اس یقین سے عاری ہے جو سائنسی تجربے کی خصوصیت ہے۔

برصغیر ہند و پاک پر مسلمانوں کی حکومت صدیوں پر محیط ہے۔ مغلوں کے دور حکومت میں فن کی ترقی خوب سے خوب تر ہوئی لیکن اشاعت علم پر انھوں نے کوئی دھیان نہیں دیا۔ افسوس کہ بابر کے جانشینوں میں (سوائے اورنگ زیب عالمگیر کے) کوئی بھی مامون الرشید نہ تھا۔ سب کے سب محمد امین جیسے تھے جو شکار کھیلتا تو اس کے لیے مچھلیوں کے نتھنوں میں موتی پروئے جاتے تھے۔ جسے گویئے گھیرے رہتے تھے اور جو عورتوں سے مشورہ کرتا نظر آتا تھا۔ مغلوں کے یہاں علم کو وہ اکرام نصیب نہ ہوسکا جو تلوار کو حاصل تھا۔ (33)

دور جدید میں برصغیر ہند و پاک میں پہلا مرحلہ مغلوبیت اور معذرت کا تھا۔ سر سید احمد خاں واضح طور پر مغربی تصورات نیچر کے قائل تھے اور اس میں خاصے انتہا پسند تھے۔ ان کے رفقاء میں بیشتر کا رویہ مفاہمتی تھا (34)۔ اس دور کے عالموں میں مولوی چراغ علی اور سید امیر علی کو بھی شامل کیا جاسکتا ہے، جن کا علمی رویہ قدرے ایجابی تھا، چنانچہ سید امیر علی کی کتاب Spirit Of Islam ایجابی زیادہ اور معذرتی کم ہے، البتہ شبلی نعمانی جنھیں علم کی جدید اثباتی تحریک کا علمبردار کہنا چاہئے، انھوں نے یورپ کی ترقیات کو تسلیم کرتے ہوئے بھی اس کے نظریات کی تنقید کی۔ شبلی نے نصابات تعلیمی کے

اس صدی میں مغرب کے علمی نظریہ کا سب سے زیادہ نتیجہ خیز، موثر اور تعمیری تجزیہ علامہ اقبال نے کیا ہے۔ مشرقی اور مغربی علوم (خصوصاً حکمت) پر ان کی نظر ناقدانہ تھی۔ جس نے انھیں تجزیئے کا پورا پورا حق بھی دیا اور اس کا استعمال بھی انھوں منے نہایت مثبت بلکہ جارحانہ انداز میں کیا۔ ہم ان کے افکار کو احیائی افکار کہہ سکتے ہیں۔

اقبال مسلمانوں میں ایک انقلابی علمی تحریک پیدا کرنا چاہتے تھے۔ انھوں نے اپنے انگریزی خطبات (اور مکاتیب) میں بار بار یہ لکھا ہے کہ جس طرح بنو عباس کے زمانے میں یونانی علوم کے مقابلے میں اشاعرہ نے ایک جوابی مثبت تحریک پیدا کی تھی اور جس طرح امام غزالی نے "تہافۃ الفلاسفہ" کے ذریعہ ارسطو کی منطق (اور دانش برہانی) پر کاری ضرب لگائی تھی، اسی طرح مسلمانان عالم کو مغرب کے علوم جدیدہ کا گہرا ناقدانہ مطالعہ کرکے اسلام کے اصل تصور علم کو روشن اور اس کی اصل روح کو دوبارہ احیاء کرنا چاہئے (اس سلسلے میں انھوں نے ایک نصاب مرتب کیا تھا، جو سر آفتاب احمد، علی گڑھ کی فرمائش پر تیار ہوا تھا)۔

برصغیر ہندوپاک میں 1930ء کے بعد جو سیاسی تحریکیں اٹھیں اور 1947ء میں ملک کی جس طرح تقسیم ہوئی اس کی شورشوں اور ہنگاموں کی وجہ سے اقبال کی علمی تحریک کچھ زیادہ آگے نہیں بڑھی اور ابھی تک کسی تعلیمی فلسفے کی تعین بھی نہیں ہوئی۔ اس زمانے کے دیگر تعلیمی افکار کی معین صورت ملکی صورت حال اور تنظیم کی علمی پائیداری پر منحصر ہے۔

حواشی:

1- اردو دائرۂ معارف اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور 1977ء مقالہ "علم"
2- راغب: مفردات
3- عضد الدین عبد الرحمن الاسحی: المواقف فی علم الکلام
4- الامدی: الابکار الافکار
5- کتاب السعادۃ
6- ابو طالب المکی: قوت القلوب
7- اردو دائرہ معارف اسلامیہ، مقالہ: "علم"
8- سورہ آل عمران (18:3)
9- سورۃ الانعام (59:6)
10- ابو داؤد: کتاب العلم
11- بخاری: کتاب العلم
12- ابو داؤد: کتاب العلم
13- ابن ماجہ: سنن
14- اردو دائرہ معارف اسلامیہ، مقالہ: "علم"
15- Briffault:The Making OfHumanity,London,1919.
16- Briffault:The Making Of Humanity, London,1919 .P.P.201,202.203.George Sarton:Introduction To The History Of Science Baltimore,1931,2:960-961
17 -T.W.Arnold And Alfred Guillaume: The Legacy Of Islam,London, 1931,pp 227.
18- اردو دائرہ معارف اسلامیہ، مقالہ: "علم"
19- Draper: Conftict Between Religion And Science, London, 1885 pp158-159
20- Smith Wiliams: History Of The Wolrld Historians, London, 1907,pp 227.
21- ماہنامہ ہدیٰ، نئی دہلی، پندرہویں صدی ہجری نمبر
22- لیبان: تمدن عرب، اردو ترجمہ از سید علی بلگرامی، آگرہ ص434
23- تمدن عرب، ص417
24- تمدن عرب
25- تمدن عرب، ص436
26- ماہنامہ ہدیٰ، نئی دہلی، پندرہویں صدی ہجری نمبر
27- اردو دائرہ معارف اسلامیہ، مقالہ "علم"
28- اندلس کی اسلامی میراث، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد، پاکستان
29- Briffault:The Making Of Humanity,London,1919
30- Lyden, Knowledge Triumphant,1970,pp340
31- اردو دائرہ معارف اسلامیہ، مقالہ: "علم"
32- اردو دائرہ معارف اسلامیہ، مقالہ: "علم"
33- ماہنامہ ترجمان القرآن، لاہور، جولائی 1999ء
34- اردو دائرہ معارف اسلامیہ، مقالہ: "علم"

سائنسی مزاج اور مسلمان

ڈاکٹر محمد اسلم پرویز، نئی دہلی

یہ مقالہ 14 اکتوبر 1999ء کو جدّہ میں "سائنسی مزاج اور مسلمان" کے موضوع پر منعقدہ سیمنار میں پیش کیا گیا تھا۔ (مدیر)

انسانی مزاج تین عناصر کا مرکب ہے۔ اوّل وہ نسلی خواص جو کسی شخص میں اس کے والدین کی جانب سے منتقل ہوتے ہیں۔ دوم اس کی تربیت اور ماحول اور سوم اس کی تعلیم۔ ان تینوں عناصر میں سے نسلی خواص کا رول اس معنی میں کم تر ہو جاتا ہے کہ ان کا تعلق ایک صحت مند ذہن بنانے تک محدود ہوتا ہے۔ محققین یہ ثابت کر چکے ہیں کہ ایک صحت مند انسان ایک اوسط ذہانت کے ساتھ پیدا ہوتا ہے۔ اس کا ذہن تمام بنیادی کام کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اس کی کارکردگی اور نشو و نما کا انحصار اس ماحول، تربیت اور تعلیم پر ہوتا ہے جو اسے نصیب ہوتی ہے۔

مزاج کے دیگر مظاہر کی طرح اس کا "سائنسی پن" بھی اس کو ملنے والی تعلیم و تربیت کا عکاس ہوتا ہے۔ آج رنگ و نسل ملک و زبان اور مسلک و عقاید کے خانوں میں پراگندہ مسلمانوں کے درمیان ایک قدر مشترک ہے اور وہ ہے سائنسی مزاج، سائنسی شعور اور سائنسی علوم کا فقدان اور ان کی جانب بے التفاتی۔ تمام عالم کے مسلمانوں میں عام طور سے اور برِصغیر ہند و پاک کے مسلمانوں میں خاص طور سے سائنسی رجحان کی کمی ایک سنگین مسئلہ ہے جو ہماری توجہ، تحقیق اور کاوش کا اوّلین مستحق ہے۔ یہ ایک طے شدہ امر ہے کہ ہمارا یہ مزاج، اس کی اچھائیاں اور برائیاں، اس تعلیم و تربیت کا ثمرہ ہیں جو ہمیں برسوں سے دی جا رہی ہے۔ اب یہاں سوال اٹھتا ہے کہ ہم کس تعلیم کا ذکر کر رہے ہیں؟ اگر یہ وہ اسکولی یا "سیکولر" تعلیم ہے جو آج کل تعلیمی اداروں میں دی جاتی ہے اور اگر اسے ہم ناقص تسلیم کریں تو پھر اس تعلیم سے بہرہ آور ہونے والے ہمارے دیگر ہم وطن کس طرح سائنسی میدان میں آگے بڑھ رہے ہیں ---- اگر اس تعلیم سے ہماری مراد وہ دینی یا اسلامی تعلیم ہے جو ہمارے مدارس میں دی جاتی ہے اور اگر اسے ہم ناقص مانیں تو پھر سوال یہ اٹھتا ہے کہ اگر اسلامی تعلیمات مسلمانوں کو سائنسی شعور اور رجحان عطا نہیں کرتیں تو پھر ساتویں صدی عیسوی سے لے کر بارھویں صدی عیسوی تک مسلمان سائنسدانوں نے جو کارہائے نمایاں انجام دیئے اور موجودہ سائنس کی بنیادیں استوار کیں وہ کیونکر ممکن ہوا؟ ---- میں سمجھتا ہوں کہ انہی پیچیدہ سوالات کا حل تلاش کرنے آج ہم لوگ یہاں جمع ہوئے ہیں۔ اس مسئلے کا مکمل احاطہ کرنے، اس کے وجود میں آنے کے اسباب کو سمجھنے، اس کی وجہ سے پیدا شدہ خرابیوں کا تفصیلی جائزہ لینے اور اس کا مؤثر اور قابل عمل حل تلاش کرنے کے لیے لازمی ہے کہ ہم ماضی کو کریدیں اور ان وجوہات کو سمجھیں کہ جن کی وجہ سے موجودہ صورت حال پیدا ہوئی۔

انسانی تاریخ میں ایسے بھی دور گزرے ہیں جب تعلیم کا

مطلب محض مذہبی تعلیم ہوتا تھا۔ اس وقت کے لوگ یہ سمجھتے تھے کہ مذہبی تعلیم کے ذریعے ان کو وہ سب کچھ مل جاتا ہے جو حیاتِ انسانی کا مقصود ہے۔ انسان میں وہ صفات پیدا ہو جاتی ہیں جو اس کی روحانی اور جسمانی، انفرادی اور اجتماعی فلاح و بہبود کے لیے لازم ہیں۔ یہاں ہمیں یہ بات ذہن میں رکھنا ہوگی کہ علم و آگہی کے دو ہی ذرائع ہیں۔ یا تو وحی الٰہی یعنی Revealed Knowledge یا صحیفۂ فطرت یعنی قدرت کے شاہکاروں، اس کے نظاروں اور مظاہر کی تحقیق۔ اوّل الذکر ذریعہ پیغمبروں کو نصیب تھا جبکہ دوسرا محققین کے حصّے میں آیا ہے۔ انسانی تاریخ کی شروعات کے ادوار میں علم و واقفیت کا واحد ذریعہ وحیٔ الٰہی تھا۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ کی جانب سے عطا کردہ، قوانین و ضوابط رسولوں کی معرفت عام انسان تک پہنچتے تھے۔ یہی تعلیم و تربیت کا واحد طریقہ تھا۔ اس دور کے انسان کی محدود ضروریات اور محدود وسائل کو اگر ہم ذہن میں رکھیں تو صورت حال سمجھ میں آجاتی ہے۔ تاہم جیسے جیسے دنیا میں انسانوں کی آبادی بڑھی، سماجی ڈھانچہ مضبوط ہوا، ضروریات زندگی میں اضافہ ہوا، علم حاصل کرنے کے دیگر انداز اور طریقے بھی اللہ تعالیٰ نے واضح کردیئے۔ مفکّروں کی کاوشوں سے نئے نئے علوم وجود میں آئے اور ان کا دائرہ وسیع تر ہوتا گیا۔ امام غزالیؒ (1111-1058) کا قول ہے کہ "عقل فعالی کی نشو و نما کے لیے عقیدہ کی پاکیزگی اور ایمان کی پختگی پہلی شرط ہے لہٰذا ابتدائی تعلیم مذہبی عقاید اور مذہبی احکامات کے مطابق ہونی چاہئے"۔ تاہم وہ تعلیم کو محدود کرنے کے مخالف تھے۔ اسی لیے انھوں نے جو نصاب تعلیم ترتیب دیا تھا، اس میں اس وقت کی ضرورت کو دیکھتے ہوئے بُنائی، کھیتی باڑی اور لکڑی کے کام جیسے ہنر شامل تھے۔ (1:114)

جب مسلمان ہندوستان میں آئے اور یہاں آباد ہونے لگے، تو شروع شروع میں انھوں نے مذہبی بقا کے لیے مدرسے کھولے، جہاں بنیادی دینی کتابوں کے علاوہ اور کچھ نہیں پڑھایا جاتا تھا۔ چنانچہ تیرھویں صدی عیسوی تک تعلیم میں منطق، فلسفہ، ریاضی وغیرہ کا کوئی ذکر نہیں ملتا (2:144) حالانکہ اسلامی ممالک میں اس قسم کے مضامین نصاب میں شامل تھے، جیساکہ اوپر امام غزالیؒ کے حوالے سے بیان کیا جاچکا ہے، مگر خالص دینی تعلیم کا انتظام بہت عرصے تک قائم نہیں رہا۔ تعلیم میں رفتہ رفتہ دین کے ساتھ ساتھ دنیوی مضامین کا اضافہ ہوتا گیا۔

ہندوستان میں مسلم حکمرانوں کے دور میں تعلیم پر حکومت کا کوئی کنٹرول نہیں تھا، دراصل اسلامی ممالک میں بھی اس زمانے تک تعلیم حکومت کے اثرات سے عموماً آزاد تھی کیونکہ وہاں تعلیم کی ابتداء اور مدارس کا انتظام کلّی طور پر آزادانہ شوق کا نتیجہ تھا۔ شروع شروع میں ہر ایک بستی کی مسجد مدرسے کا بھی کام دیتی تھی۔ یا پھر مسجد سے ملحق ابتدائی تعلیم کے لیے ایک مکتب ہوتا تھا۔ چھ برس کی عمر سے لڑکوں کی تعلیم شروع ہو جاتی تھی۔ استاد کسی صاحب جائیداد شخص یا جماعت کی طرف سے مقرر ہوتا تھا جو اُن کے بچوں کو تعلیم دیتا تھا۔ ان مکتبوں میں تعلیم کی سہولت نادار بچوں کو بھی دستیاب تھی۔ (3:11-13)
ہندوستان میں بھی مسلمانوں کی تعلیم کچھ اسی نہج پر شروع ہوئی تھی۔ پٹھانوں اور مغلوں کے دور حکومت میں مسلمانوں کی تعلیم کا انتظام بھی نجی کوششوں کا رہین منت تھا۔ تاہم کبھی کبھی تعلیمی اداروں کو حکمرانوں اور علم دوست حضرات سے بڑے بڑے عطیے ملتے تھے۔ تعلیم میں سرکاری دلچسپی کا سہرا اکبر کے سر ہے۔ اس کے عہد میں پہلی بار حکومت نے تعلیمی میدان میں اقدامات کیے۔ ایک محکمۂ تعلیمات قائم کیا گیا، جس کے تحت رعایا کی تعلیم کا انتظام بلا لحاظ مذہب و ملّت ہوتا تھا۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کی تعلیم ایک ہی ادارے میں ہوتی تھی، گو کہ ان کے نصاب تعلیم جُدا جُدا تھے۔ لیکن چند مضامین مثلاً ریاضی، سائنس وغیرہ مشترک تھے۔ (224: 4) پٹھانوں اور مغلوں کے عہد حکومت میں سائنس اور تکنیکی تعلیم کی طرف بھی توجہ دی گئی۔ خاص طور پر طب کی تعلیم کو بہت مقبولیت حاصل ہوئی اور اس سے مسلمانوں اور ہندوؤں دونوں نے فائدہ اٹھایا۔ مسلمان حکمرانوں کے آخری دور میں تعلیم سے متعلق ایک نیا رجحان اور رویہ نظر آتا ہے مثال کے طور پر یہاں حیدرآباد

(دکن) کے بعض مسلم حکمرانوں کی تعلیمی کارگزاریوں کا ذکر کرنا چاہوں گا۔ ایک مشرقی علوم کا کالج جسے دارالعلوم کہتے تھے، شہر حیدر آباد میں 54 - 1853ء میں قائم کیا گیا۔ اسے تعلیم عامہ کی سمت میں پہلا قدم کہا جاسکتا ہے۔ اس میں عربی، فارسی، مراٹھی، تیلگو اور انگریزی زبان کی تعلیم اور ان زبانوں کے ذریعے کلاسیکی ادب تک رسائی کا انتظام تھا۔ یہاں نہ صرف تعلیم مفت دی جاتی تھی بلکہ طلباء کی ہمت افزائی کے لیے انھیں وظائف اور انعامات سے بھی نوازا جاتا تھا۔ چند سال بعد 60 - 1859ء میں ہر ایک تعلقہ میں ایک ایک فارسی کا اور ایک ایک مقامی زبان کا اسکول کھولا گیا۔ ان اسکولوں کے نصاب تعلیم میں زبانوں کے علاوہ ریاضی، تاریخ اور جغرافیہ جیسے مضامین شامل تھے۔ ان اداروں کے دروازے بلاامتیاز نسل و مذہب سبھی کے لیے کھلے ہوئے تھے۔ 1878ء میں انگلستان کی وضع کا ایک پبلک اسکول بھی قائم کیا گیا، جہاں مسلمان اور ہندو شرفاء کے بچے ساتھ ساتھ تعلیم حاصل کرتے تھے۔(4-1 : 5)

اپنی سرزمین کی بات کرنے کے بعد آیئے اب تاریخ کے کچھ اور اوراق پلٹتے ہیں اور اس عہد میں چلتے ہیں جسے اسلامی سائنس کے عروج کا دور کہا جاتا ہے۔ مشہور مؤرخ سائنس جارج سارٹن (George Sarton) نے "تاریخ سائنس" (14) میں اس حقیقت کو تسلیم کیا ہے کہ ساتویں صدی عیسوی سے لے کر بارہویں صدی عیسوی تک کے دور کو اگر پچاس پچاس سال کے ادوار میں منقسم کر کے ان میں سے ہر ایک دور کو اس وقت کے کسی ایک عظیم عالم سے منسوب کیا جائے تو پتہ چلے گا کہ یہ سارے ادوار مسلمان سائنسدانوں کے ناموں سے منسوب ہیں۔ ایک اور جگہ جارج سارٹن لکھتا ہے "انسانیت کے بنیادی کام کو مسلمانوں نے پورا کیا۔ اپنے وقت کا عظیم ترین فلاسفر مسلمان تھا، عظیم ترین ریاضی داں مسلمان تھا، عظیم ترین تاریخ داں بھی مسلمان ہی تھا۔" یہی نہیں رابرٹ برائفالٹ (Robert Brifalt) نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ "اسلام سے قبل سائنس کا وجود نہ تھا۔" اس نے یہ بھی ثابت کیا ہے کہ طب کو علم کا درجہ دینے اور وقار بخشنے کا کام بھی مسلمانوں کے ہاتھوں ہی انجام پایا۔ وہ لکھتا ہے کہ "Medicine was more of a magic than medcine before Islam" (15) (ترجمہ: اسلام سے قبل، طب جادو زیادہ تھی، طب کم۔)

یہاں یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ ان مغربی مصنفین کی نظر میں اسلام کی شروعات آنحضور ﷺ کے زمانے سے ہوئی ہے، لہٰذا اس سے قبل کے دور کو یہ اسلام سے قبل کا دور کہتے ہیں۔ مسلمان علماء کا ایک بہت بڑا اور تاریخ ساز کارنامہ تجربات کی ابتداء تھی۔ مسلمانوں کے اس سنہری دور سے قبل دنیا باقاعدہ و باضابطہ تجربات اور ان کی افادیت سے ناواقف تھی۔ مسلمانوں نے ہی دنیا کو تجربات کی اہمیت سے روشناس کیا۔ بقول رابرٹ برائفالٹ "یونانیوں نے تدوین کا کام کیا، عام اصول بنائے اور انھیں علمی زبان میں بیان کیا، لیکن تجربے کی کسوٹی پر نتائج اخذ کرنا یونانی فطرت کے خلاف تھا۔ جسے ہم سائنس کہتے ہیں اس کی بنیاد مشاہدات اور تجربات پر ہے اور ان نئے طریقوں سے یورپ والوں کو عربوں نے متعارف کرایا۔ اسلامی تہذیب کا سب سے قیمتی عطیہ موجودہ دور کی سائنس ہے۔" جارج سارٹن بھی اس بات کی توثیق ان الفاظ میں کرتا ہے: "قرون وسطیٰ کا اصلی لیکن سب سے کم معروف کارنامہ تجرباتی طریقے کی تخلیق ہے اور یہ دراصل مسلمانوں کی کاوشوں کا نتیجہ تھا جو بارھویں صدی عیسوی تک جاری رہیں۔" (14)

احیائے اسلام کے فوراً بعد ہی مسلمانوں میں علم و آگہی، تحقیق و جستجو کا جو ولولہ نظر آتا ہے وہ ایک نہایت اہم اور قابل غور نکتہ ہے۔ جاں نثاران رسولؐ اور فدایان قرآن کی یہ روش اس بات کی روشن اور واضح دلیل ہے کہ علم و آگہی کی یہ پیاس مسلمانوں میں کلام پاک اور اللہ کے رسولؐ نے پیدا کی تھی۔ قرآن کریم کی ہدایات پر عمل کر کے مسلمان بہت جلد نہ صرف علوم پر دسترس حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئے بلکہ ان میں بیش بہا اضافے بھی کرنے لگے۔ نتیجتاً انھوں نے دنیا

کے بیشتر علاقوں میں اپنی طاقت و عظمت کا سکہ اس طرح جمادیا کہ یورپ کی اقوام باوجود ہزاروں کوششوں کے، صدیوں تک مسلمانوں کو زیر نہ کر سکیں۔

عہد وسطیٰ کے یورپ اور اسلامی دنیا کا موازنہ کرتے ہوئے مولانا آزاد "غبار خاطر" میں لکھتے ہیں:

"یورپ مذہب کے مجنونانہ جوش کا علمبردار تھا۔ مسلمان علم و دانش کے علمبردار تھے۔ یورپ دعاؤں کے ہتھیاروں سے لڑنا چاہتے تھے، مسلمان لوہے اور آگ کے ہتھیاروں سے لڑتے تھے۔ یورپ کا اعتماد صرف خدا کی مدد پر تھا، مسلمانوں کا خدا کی مدد پر بھی تھا لیکن خدا کے پیدا کیے ہوئے سروسامان پر بھی تھا۔ ایک صرف روحانی قوتوں کا معتقد تھا، دوسرا روحانی اور مادّی دونوں کا۔ پہلے نے معجزوں کے ظہور کا انتظار کیا، دوسرے نے نتائج کے ظہور کا۔ معجزے ظاہر نہیں ہوئے لیکن نتائج عمل نے ظاہر ہو کر فتح و شکست کا فیصلہ کر دیا۔"

اس تحریر میں مولانا آزاد نے بارھویں صدی عیسوی کی ان صلیبی جنگوں کا ذکر کیا ہے جب مسلمانوں نے پیٹریری (Petrary) نام کے نئے ہتھیار بنالئے تھے جو دشمنوں پر آگ برساتے تھے۔ پانچویں صلیبی جنگ میں ان ہتھیاروں کی مدد سے جارج لوئس کی فرانسیسی فوج کے ٹھکانوں کو جلا کر خاکستر کر دیا گیا تھا۔ مؤرخین کا کہنا ہے کہ ان ہوائی حملوں سے فرانسیسی فوجی اتنے ہراساں ہو گئے تھے کہ ان کے کمانڈر لارڈ والٹر (Lord Walter) نے مایوسی اور بے بسی کی حالت میں فوجیوں کو مشورہ دیا کہ "جونہی مسلمان آگ کے بان چلائیں ہمیں چاہئے کہ گھٹنے کے بل جھک جائیں اور اپنے نجات دہندہ خداوند سے دعا مانگیں کہ اس مصیبت میں ہماری مدد کرے" لیکن بقول مولانا آزاد "فرانسیسیوں کا خوش اعتقادانہ یقین، وہم سے زیادہ نہ تھا۔ کیونکہ بالآخر کوئی دعا بھی سود مند نہ ہوئی اور انھیں شکست کا منہ دیکھنا پڑا(16)

سائنسی علوم اور ان کی مدد سے ہونے والی نت نئی ایجادات نے مسلم ممالک کو اتنی طاقت عطا کر دی تھی کہ صدیوں تک وہ اسلام مخالف طاقتوں پر خدائی قہر بن کر ٹوٹتے رہے۔ تاہم انہی صدیوں کے دوران واقع ہونے والی کچھ بیرونی اور اندرونی خرابیوں نے، جن کا ذکر میں آگے کروں گا، ان کو علم سے اتنا بیزار کر دیا کہ ان کا حال وہی ہو گیا جو ساتویں صدی عیسوی سے چودھویں صدی عیسوی تک یورپی اقوام کا تھا۔ اب مسلمان دعاؤں پر زیادہ انحصار کرنے لگا اور علم و عمل کو بے معنی قرار دینے لگا۔ مسلمانوں کی اس ذہنی اور فکری تبدیلی کا ذکر کرتے ہوئے مولانا آزاد نے بخارا پر روسیوں کے حملے کی روداد یوں بیان کی ہے:

"انیسویں صدی کے اوائل میں جب روسیوں نے بخارا کا محاصرہ کیا تو امیر بخارا نے حکم دیا کے تمام مدرسوں اور مسجدوں میں ختم خواجگان پڑھا جائے۔ اُدھر روسیوں کی قلعہ شکن توپیں شہر کا حصار منہدم کر رہی تھیں اِدھر لوگ ختم خواجگان کے حلقوں میں بیٹھے "یامقلب القلوب، یامحوّل الاحوال" کے نعرے بلند کر رہے تھے۔ آخر وہی ہوا جو کہ ایک ایسے مقابلے کا نتیجہ نکلنا تھا۔ جس میں ایک طرف گولہ بارود ہو، دوسری طرف ختم خواجگان --- دعائیں ضرور فائدہ پہنچاتی ہیں، مگر انہی کو جو عزم و ہمت رکھتے ہیں۔ بے ہمتوں کے لیے وہ ترک عمل اور تعطل قویٰ کا حیلہ بن جاتی ہیں۔"(16)

ساتویں صدی عیسوی سے لے کر چودھویں صدی عیسوی تک کے دور کو اگر اسلامی تمدن کا قرن اوّل کہا جائے اور چودھویں صدی عیسوی سے تا حال تک کے دور کو قرن دوم کا نام دیا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ ان دونوں ادوار میں سائنسی اعتبار سے مسلمانوں کی حالت ایک دم مختلف نظر آتی ہے۔ قرن اوّل میں اسلامی دنیا علم کے نور سے منوّر تھی جبکہ اس

وقت یورپ جہل اور وہم و بدگمانی کی تاریکیوں میں غرق تھا۔ اس کے برخلاف قرن دوم میں بساط اُلٹ چکی تھی۔ اس دور میں مسلمان سائنس سے رشتہ توڑ کر جہالت، بد عقیدگی اور شرک کے اتھاہ سمندر میں ڈوب چکے تھے جبکہ یورپ مسلمانوں کے فراہم کردہ علوم کی روشنی سے جگمگارہا تھا۔ مشہور مصنف ڈی۔ کیمبیل (17) نے اس دور کو یوں بیان کیا ہے۔ "اسلامی سائنس کے دور میں یورپ میں تاریک دور تھا اور کٹرپن، ظلم، گنڈہ تعویز اور ٹوناٹوٹکا کی برائیاں عام تھیں۔"

قرن اوّل کے دور کے مسلمانوں کے علمی ذوق میں ایک بے حد اہم اور غور طلب زاویہ اُن کے علم کی ہمہ گیریت ہے۔ اپنے اپنے ادوار کے بیشتر سائنسداں نہ صرف علوم فطرت میں ماہر تھے بلکہ علوم دین پر مکمل دسترس رکھتے تھے۔ مثلاً جابر بن حیان نے سائنسی تحقیقات شروع کرنے سے قبل مدینہ منوّرہ میں رہ کر حضرت امام جعفر صادق سے دین کا علم حاصل کیا تھا۔ عین ممکن ہے کہ اسی دوران انھوں نے کلام پاک پر غور و فکر کر کے سائنسی تحقیق کا راستہ پایا ہو۔ زکریا رازی اور بو علی سینا اپنے وقت کے امام طب ہونے کے ساتھ علم دین اور علم فلسفہ کے بھی ماہر تھے۔ اسی طرح الکندی دینی عالم ہونے کے ساتھ ساتھ علم موسیقی، علم طبیعات، علم بصریات اور علم ریاضی کا بھی ماہر تھا۔

مسلمانوں کے قرن اوّل کا ایک اور قابل توجہ مطالعہ چارلس جیلیسپی (Charles Gillespie) نے کیا ہے۔ اس مؤرخ نے ان سائنسدانوں کی فہرست مرتب کی ہے جنھوں نے ساتویں صدی عیسوی سے پندرھویں صدی عیسوی کے درمیان سائنس کو فروغ دیا اور موجودہ دور کے سائنسی انقلاب کی بنیاد رکھی۔ اس فہرست میں ایک سو بتیس (132) سائنسدانوں کے نام شامل ہیں، جن میں سے ایک سو پانچ کا تعلق اسلامی دنیا سے تھا۔ دس وہ تھے جو غیر اسلامی دنیا یعنی یورپ سے تعلق رکھتے تھے لیکن ان میں سے بیشتر نے اسلامی اسپین کی یونیورسٹیوں (قرطبہ، غرناطہ وغیرہ) میں سائنس کی تعلیم حاصل کی تھی۔ گویا کہ اس دور کے لگ بھگ نوے فیصد (90%) سائنسداں اسلامی دنیا سے تعلق رکھتے تھے۔ یہی تناسب سائنسی ایجادات اور سائنسی تصانیف کا بھی تھا۔ اب آیئے بساط اُلٹنے کے بعد دوسرے دور کی آخری یعنی موجودہ صدی کا جائزہ لیں۔ 1981ء میں کیے گئے ایک سروے کے مطابق جو پچیس (25) ممالک سب سے زیادہ سائنسی لٹریچر ہر سال شائع کرتے ہیں ان میں ایک بھی مسلمان ملک کا نام نہیں ملتا۔ 1996ء میں دنیا بھر میں جو سائنسی مضامین مختلف رسائل میں شائع ہوئے، ان میں مسلم مصنّفین کی تعداد ایک فیصد سے بھی کم تھی۔ گویا قرن اوّل میں جب مسلمانوں کی آبادی دنیا کی کل آبادی کا محض 15 فیصد تھی، اُس وقت سائنسی سرگرمیوں میں اُن کا 90 فیصد حصہ تھا اور آج جب مسلمانوں کی آبادی تقریباً 22 فیصد ہے تو سائنس میں ان کا حصہ ایک فیصد سے بھی کم رہ گیا ہے۔ ایک زمانہ تھا جب بغداد کی صرف ایک شاہراہ پر کتابوں کی دو سو دُکانیں تھیں جہاں قرآن پاک سے لے کر فلکیات، طبیعات، ریاضی، کیمیا، طب وغیرہ کی کتابیں فروخت ہوتی تھیں۔ لوگوں کے گھروں میں ذاتی لائبریریاں تھیں، علمی مجلسیں آراستہ کی جاتی تھیں، نئی دریافتوں اور نئے علوم کی روشنی میں کلام پاک پر غور و فکر کیا جاتا تھا۔ آج کسی دُکان یا کسی ذاتی لائبریری میں تو کیا کسی مسلم ادارے کی لائبریری میں بھی مشکل سے ہی رازی یا جابر بن حیان یا الکندی کی تصانیف نظر آئیں گی۔ بقول مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی "یہ تاریخ کا عبرت انگیز واقعہ ہے کہ سائنس کی عظیم الشان خدمات انجام دینے کے بعد مسلمان اپنی تحقیق و علمی روش بھول گئے اور مقلدانہ اور روایتی ذہنیت کا شکار ہوگئے۔ جس کے نتیجے میں وہ سائنسی اور صنعتی میدان میں مغرب سے پیچھے رہ گئے۔" (19)۔ ایڈورڈ ایٹیا (Edward Atiya) اس دور کی منظر کشی کرتے ہوئے لکھتا ہے "اس دور میں مسلمان سوچنے اور ایجاد کی صلاحیت کو کھو بیٹھا اور صرف پرانی کتابوں کو رٹ لینے کو علم سمجھ بیٹھا۔" بات یہیں ختم نہیں ہوتی۔ سچ تو یہ ہے

کہ وہ قدیم کتابوں پر شرحیں لکھنے لگا پھر شرحوں کی شرحیں تحریر کی جانے لگیں۔ اس کے نزدیک یہ اس کے علمی مشاغل تھے۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت میں کدّ و کاوش کا جو مادّہ رکھا ہے، جدوجہد اور کارکردگی کا جو خمیر شامل کیا ہے، اسے تحقیق و جستجو کا راستہ نہ ملا تو وہ تقلید و تنقید اور فروعی مسائل پر اپنی توانائی صرف کرنے لگا۔

اب آیئے اُس بنیادی اور اہم نکتے کی طرف پلٹتے ہیں کہ مسلمانوں میں علم کے تئیں اس اہم فکری تبدیلی کی وجہ یا وجوہات کیا تھیں۔ ان کو سمجھنے کے بعد ہی ہم ان کے دور کرنے کے طریقے پر غور کرنے کی کوشش کر سکتے ہیں۔ انسان اگر کوئی کام کرتا ہے تو اس کے پیچھے دو ہی محرکات ہوتے ہیں۔ یا تو اس کام کے بدلے اسے مال و عزت یا پھر حسب خواہش کسی اور شئے کے ملنے کی توقع ہوتی ہے یا پھر وہ کسی جذبے، لگن یا فرض کے تحت اپنی رضامندی سے وہ کام انجام دیتا ہے۔ مسلمانوں کی علوم سے وابستگی بھی انہی دو محرکات کے گرد گھومتی ہے۔ آں حضور ﷺ کی بعثت کے بعد پہلا محرک جس نے مسلمانوں کو تحقیق و جستجو اور مطالعۂ فطرت کی طرف راغب کیا، بلاشبہ قرآن پاک تھا۔ اس وقت کے پاک و صاف ماحول میں کہ جب مسلمانوں کا واحد فوکل پوائنٹ کلام پاک تھا، رسول پاکؐ کی صحبت و تربیت انھیں نصیب تھی، مشرکین اور منافقین قرآن حکیم سے مسلمانوں کی توجہ ہٹانے کے لیے کسی قسم کا مواد تیار نہ کرپائے تھے، مسلمانوں نے کلام الٰہی سے بھرپور فیض اور رہنمائی حاصل کی۔ آنحضور ﷺ کے وصال کے بعد یہ صورت حال تبدیل ہونا شروع ہوئی۔ اگرچہ یہ تبدیلیاں بہت دھیرے دھیرے آئیں۔ مختلف طریقوں سے آئیں تاہم یا تو ان کو محسوس نہیں کیا گیا یا دیگر مفادات کو مقدم رکھتے ہوئے تجاہل عارفانہ سے کام لیا گیا۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد مسلمانوں کے اتحاد کی طاقت کمزور پڑ گئی۔ رفتہ رفتہ خلافت بادشاہت میں تبدیل ہو گئی۔ اقتدار کی خواہش اور افضلیت کے جھگڑے بڑھنے لگے۔ اسی دوران احادیث رسول کو جمع کرنے کا کام شروع ہو چکا تھا۔ احادیث کی صحت و سند سے متعلق مختلف رجحانات پیدا ہونے لگے تھے۔ فقہی مسائل پر مباحثوں نے نیز مسلکی اختلافات نے رنجشیں پیدا کر دی تھیں۔ دوسری طرف مسلمانوں کی حکومت کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا جا رہا تھا۔ نئے ممالک اور علاقے ان کے زیر نگیں آرہے تھے۔ کچھ لوگ سچ مچ ہدایت پاکر اسلام قبول کر رہے تھے تو کچھ مصالحت اور حکومت وقت کے منظور نظر ہونے کے لیے اسلام میں داخل ہو رہے تھے۔ مسلمانوں کے عروج سے جن اقوام کو زیر ہونا پڑا تھا ان کے اہل فکر و دانش مسلمانوں کے عروج کے اسباب اور ان کا توڑ تلاش کرنے میں سرگرداں ہو چکے تھے۔ ان کو اس نتیجے پر پہنچنے میں دیر نہیں لگی کہ وہ قرآن اور صرف قرآن ہے جس نے اس پر ایمان لانے والوں کو سیماب صفت بنادیا تھا جس کی ہدایت کی روشنی میں وہ زندگی کے ہر شعبے سے متعلق علوم کے ماہر ہو کر ایک مضبوط سماجی، تہذیبی اور فوجی طاقت بن چکے تھے۔ اب دشمنان اسلام کی سمجھ میں یہ بات بھی آچکی تھی کہ قرآن میں تحریف کرنا ممکن نہیں ہے لہٰذا انھوں نے دوسرا راستہ چنا اور ایک منظم کوشش مختلف طریقوں اور حربوں سے یہ شروع کی کہ مسلمانوں کی توجہ قرآن سے ہٹا کر دوسری طرف لگا دی جائے۔ ان کی فکر و تدبر کی صلاحیتیں دیگر مسلکی مسائل کی نذر کر دی جائیں۔ ان تمام سازشوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کی اکثریت کی توجہ کلام حق سے ہٹ گئی لہٰذا تحقیق و جستجو کا رخ بدل گیا۔ گو کہ سفر جاری رہا لیکن اس کا رخ معراج و ترقی کی اس منزل کی جانب نہ رہا جس کا وعدہ قرآن پاک میں ان لوگوں کے لیے کیا گیا ہے کہ جو علم کی راہ میں سرگرداں رہتے ہیں۔ اسلام ڈائیلیوٹ (Dilute) ہونا شروع ہو گیا۔ جو نئے علاقے اور اقوام اسلام میں داخل ہو رہے تھے ان تک اب کلام پاک کے علاوہ دیگر لٹریچر بھی پہنچنے لگا جس میں مختلف قسم کی گنجائشیں اور متبادل موجود تھے۔ ان نو مسلمین نے اپنے رسم و رواج اور طریقوں کو بھی اسلام میں شامل کرنے کے لیے بہانے اور طریقے ڈھونڈ لیے۔ اسلام اس معنی میں

"آسان" ہو گیا کہ آباء و اجداد کے رسم و رواج اور طریقوں کو چھوڑے بغیر جنت کی ضمانت مل گئی تاہم وہ نیا سماج وہ نئی تہذیب اور کردار جو قرآن کے اسلام نے پیدا کیا تھا ان دھندلکوں میں گم ہو گیا۔ منافقین اور فاسقین کے تیار کردہ اس اسلام کے زیر اثر مسلمان فکر و عمل کے اعتبار سے کمزور ہونے لگا۔ وہ کلام پاک میں تحریر آیات کو پڑھنے اور یاد کرنے میں تو مصروف رہا لیکن صحیفۂ فطرت یعنی کائنات میں پھیلی ہوئی اللہ کی آیات سے غافل اور لاپرواہ ہو گیا۔ علم کے سوتے سوکھ گئے جمود و تعطل کا دور آ گیا۔ عقل کا راستہ بند کر دیا گیا نقل و تقلید کی راہ کشادہ ہو گئی۔ امام غزالیؒ (1111-1058) دشمنان اسلام کی اس سازش کو سمجھ رہے تھے تاہم مسلمانوں کی اکثریت ان کے اقوال اور تحریروں پر توجہ نہیں دے رہی تھی۔ ان کا یہ قول کہ "جو شخص عقل کو بالکل معزول کر کے محض تقلید کی طرف لوگوں کو بلاتا ہے وہ جاہل ہے۔" نظر انداز کر دیا گیا۔ سائنسی حقائق یعنی صحیفۂ فطرت کے معترضین پر تنقید کرتے ہوئے وہ "تہافت الفلاسفہ" میں لکھتے ہیں: "مذہب کے خلاف سب سے بڑے جرم کا ارتکاب وہ لوگ کرتے ہیں جو سمجھتے ہیں کہ اسلام کا دفاع علوم ریاضی کے انکار سے بھی ہو سکتا ہے۔ جبکہ ان علوم میں کوئی بات مذہب کے خلاف نہیں ہے۔ ان لوگوں کی اسلام کے بارے میں یہ بڑی جسارت ہے جن کا گمان ہے کہ اسلام ان علوم کے انکار کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ حالانکہ ان علوم و تحقیقات میں دینی اصول کو کوئی تعرض نہیں۔" اسی کتاب میں وہ دوسری جگہ رقم طراز ہیں: "جو یہ گمان کرے کہ سورج اور چاند گہن کو غلط ثابت کرنے کے لیے حجت کرنا دین کی خدمت ہے اس نے دین پر بہتان باندھا اور اس کو کمزور کیا۔ کیونکہ یہ وہ امور ہیں جن کی بنیاد ریاضی کے حقائق پر قائم ہوتی ہے۔"

احیاء العلوم میں امام غزالیؒ نے نہ صرف علم کی نہایت جامع تعریف بیان کی ہے بلکہ اپنے دور کے مسلمانوں کی فکر اور ان کی روش پر بھی شدید نکتہ چینی کی ہے۔ آپ لکھتے ہیں:

"فرض کفایہ وہ علم ہے جس کے بغیر دنیاوی ضرورتیں انجام نہ پا سکتی ہوں۔ مثلاً علم طب، کیونکہ بقائے زندگی کے لیے یہ ضروری چیز ہے۔ یا علم حساب کیونکہ معاملات میں اور تقسیم ترکہ میں اس کی ضرورت پڑتی ہے۔ ہمارے اس قول پر کہ طب و حساب فرض کفایہ ہیں، تعجب نہ کرنا چاہئے۔ بلکہ صنعتی علوم بھی فرض کفایہ ہیں۔ بہت سے شہر ایسے ہیں جہاں صرف یہودی یا عیسائی طبیب ہیں اور ان کی شہادتیں فقہ کے طبی مسائل میں معتبر نہیں۔ باوجود اس کے ہم دیکھتے ہیں کہ طب کو کوئی نہیں سیکھتا اور فقہ پر گرے پڑتے ہیں۔ کیا اس کا سبب بجز اس کے کچھ اور ہو سکتا ہے کہ طب کے ذریعے سے یہ بات نہیں حاصل ہو سکتی کہ اوقاف پر، وصیت پر، یتیموں کے مال پر قبضہ حاصل ہو، قضا کا عہدہ ملے، حکومت ہاتھ آئے، ہم عصروں پر تفوق حاصل ہو، مخالفین کو زیر کیا جائے۔"

اللہ کی پناہ گیارھویں صدی میں مسلمانوں کی حکومت کی خواہش، گروپ بندی اور بے ایمانی کی یہ تصویر واضح طور پر بتاتی ہے کہ مسلمان کلام پاک اور اس کی رہنمائی سے کتنا دور جا چکا تھا۔

مسلمان حکمرانوں کے خاصے بڑے طبقے نے اپنے اپنے زمانے میں علم و حکمت کی سرپرستی کی یہ وہ دوسرا محرک تھا جس کی وجہ سے بہت مسلمان سائنسی تحقیقات کی طرف راغب ہوئے۔ تاہم جب مسلمان حکمرانوں اور حکومتوں میں آپسی اختلافات اور ان کا زوال شروع ہوا تو علم کی سرپرستی بھی کم ہونے لگی۔ علاوہ ازیں کچھ بادشاہوں کا دستور تھا کہ وہ اپنے اوپر یا اپنے مذہبی عقاید پر تنقید گوارہ نہیں کرتے تھے۔ ایسے ماحول میں آزادیٔ فکر کا ختم ہونا لازمی تھا۔ دوسری طرف جنگ و جدال نے ماحول علم کے لیے ناسازگار کر دیا۔ انسان کا جبر و قہر بڑھ گیا تھا۔ بادشاہت کے انداز اس حد تک بدل چکے تھے،

احکام الٰہی کے اس قدر خلاف ہو چکے تھے کہ علماء حق یا تو بادشاہ وقت کی مخالفت پر مجبور تھے یا پھر گوشہ نشین ہو گئے تھے۔ دور مامون سے ہی مسلمانوں میں یونانی فلسفے کے چرچے شروع ہو گئے تھے۔ تاتاریوں کے حملے نے جو خوف و ہراس کا ماحول پیدا کیا ایسے میں لوگوں نے "اسٹوائس ازم' (Stoicism) کو اپنانا شروع کر دیا جس میں یاسیت، محرومی، بے نیازی، قنوطیت کے احساسات خاص عناصر تھے۔ اس صورت حال کو تاتاری حکمرانوں نے خوب بڑھاوا دیا کیونکہ مایوس مسلمانوں پر حکومت زیادہ آسان تھی۔ مایوسی کے عالم میں مسلمانوں کو درگاہوں میں قلبی سکون محسوس ہونے لگا۔ یہ تمام سازشیں اس حد تک کامیاب ہوئیں کہ بقول مولانا ابوالحسن علی ندوی دور انحطاط اسلامی میں جینئس (Genius) بہت کم نظر آنے لگے۔ وہ فرماتے ہیں:

> "زیادہ تر علماء اور مفکرین نے علوم مابعد الطبعیات (Metaphysics) کی طرف توجہ زیادہ کی اور علوم طبعیہ اور عملی اور نتیجہ خیز فنون کی طرف توجہ کم کی۔ ان مباحث میں جن کا دنیا و آخرت میں کوئی فائدہ نہ تھا، صدیوں تک دردسری و دیدہ ریزی کرتے رہے اور ان علوم اور تجربوں کی طرف توجہ نہ کی جو ان کے لیے کائنات کی طبعی قوتیں مسخر کر دیتے اور اسلام کے مادّی اور روحانی تسلط کو تمام عالم پر قائم کر دیتے۔" (19)

اس صورت حال کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کا حال ویسا ہی ہو گیا جیسا کہ رومن سلطنت کے زوال کے وقت یورپی اقوام کا تھا۔ جنھوں نے عیسائیت کو قبول تو کر لیا تھا لیکن صرف روحانیت کے واسطے۔ دنیا سے اس کا کوئی تعلق نہ تھا۔ لہٰذا عیسائیوں کو علم دنیا (یا جدید علوم) سے اتنی نفرت ہوئی کہ انھوں نے اقلیدس، افلاطون، جالینوس وغیرہ کی تصنیفات کو کفر کے ذخائر بتایا اور ان لائبریریوں کو آگ لگا دی جہاں یہ کتابیں محفوظ تھیں۔ اسی غیر عقلی رویے کی وجہ سے رومیوں نے پانچویں صدی عیسوی میں اسکندریہ کی مشہور لائبریری کو آگ لگا دی تھی---- مسلمان بھی جب منافقین اور فاسقین کی سازشوں کے جال میں پھنس کر قرآن سے دور ہو گیا، دین، دنیا، دینی اور دنیوی علوم کو الگ کر بیٹھا تو اس کا بھی حال ایسا ہی ہو گیا۔ مسلمانوں کے تنزل کی اس کیفیت کو مولانا آزاد نے غبار خاطر میں یوں بیان کیا ہے: "علم کو روحانی اور دینی مراکز میں محدود کر دیا گیا جو خود جمود کا شکار تھے۔ جدید اور سائنسی علوم کو خلاف دین قرار دیا گیا۔ 1857ء کو دہلی کالج کی لائبریری کو لوٹا گیا۔ انگریزی اور سائنس کی کتابوں کو پھاڑ ڈالا گیا۔ سائنس کے آلات کو آلات شیطانی کہہ کر توڑا۔ بلوائی عربی اور فارسی کتابوں کو ساتھ لے گئے اور کباڑ میں بیچ ڈالا"--- علوم سے بیزاری کا بالآخر نتیجہ یہ ہوا کہ موجودہ صدی کے اوائل میں ہی مسلمان معاشی اور فوجی طاقت کے اعتبار سے بھی کمزور ترین قوم بن گئے۔ 1918ء میں یورپی افواج نے بیت المقدس پر قبضہ کر لیا۔ ان فوجوں کی قیادت کرنے والے فیلڈ مارشل الن بی (Allenby) نے اعلان کیا کہ "یہ جنگ آٹھویں صلیبی جنگ تھی جس میں ہمیں مکمل فتح حاصل ہوئی ہے۔" گویا مسلمان ہمیشہ کے لیے پسپا کر دیا گیا۔

دشمنان اسلام کی سازشوں کے نتیجے میں ہم آج علم کی تقسیم شدہ میراث لیے بیٹھے ہیں۔ جو دین محض چند ارکان کا مجموعہ نہیں بلکہ ایک مکمل ضابطہ حیات تھا، اس کے پیروکاروں نے دین دنیا کو الگ کر دیا۔ دینی علوم کے نام پر تفسیر، حدیث، فقہ، تصوف، اسرار شریعت اور فلسفہ وغیرہ کی تعلیم دی جانے لگی۔ تمام جدید علوم کو دنیوی علوم کا نام دے کر دنیاداروں کے لیے چھوڑ دیا گیا۔ جس کو دنیا کی تمنا ہو، جو محض دنیوی زندگی پر یقین رکھتا ہو۔ اُسے سنوارنا چاہتا ہو وہی ان علوم کا مطالعہ کرے۔ ساتھ ہی ساتھ دونوں تقسیم شدہ خانوں کو ایک دوسرے کی ضد اور ناقابل امتزاج سمجھ لیا گیا۔ صف بندی مکمل ہو گئی۔ اب جسے چند روزہ دنیوی زندگی کو سنوارنا ہو وہ دنیوی علوم پڑھے اور

اگر عاقبت سنوارنی ہے تو دینی علوم پر توجہ دے۔ کیا واقعی ایسا ہے؟ آیئے اس کا حل کلام پاک میں تلاش کریں۔ آخر قرآن کریم علم کسے کہتا ہے؟...... قرآن حکیم کے نزدیک علم وہ شئے ہے جس کو آنکھ نے دیکھا ہو، کان نے اس کے صحیح ہونے کی گواہی دی ہو اور فواد (قلب بہ معنی ذہن) نے اس کے دھوکہ نہ ہونے کی تصدیق کی ہو۔ سورہ بنی اسرائیل کے چوتھے رکوع میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: (ترجمہ: اس کے پیچھے نہ پڑ جس کا تجھے علم نہیں (کیونکہ) بے شک ترے کان اور آنکھ اور ذہن (فواد) سب سے اس شئے کے متعلق پوچھا جائے گا۔") (17:36)

اس آیت سے صاف واضح ہے کہ جس شئے کی تصدیق انسان کے یہ تین اعضاء کر دیں وہ علم ہے اور قرآن منع کرتا ہے کہ اس کے سوا کسی اور شئے کی پیروی کی جائے۔ گویا لوگ اپنی انفرادی و اجتماعی زندگی میں وہم و گمان کے بجائے علم کی پیروی کریں۔ ساتھ ہی اس بات کی بھی وضاحت ہو جاتی ہے کہ مافوق الفطرت سب باتیں جھوٹ ہیں اور قرآن حکیم ان کے پیچھے پڑنے کی اجازت نہیں دیتا۔ اللہ تعالیٰ کی کائنات میں

اس کی قدرت کے جو مظاہر بکھرے پڑے ہیں ان کا مطالعہ کرنے کے لیے بنیادی طور پر آنکھ اور کان کی ہی ضرورت پڑتی ہے۔ مثلاً ہم اپنی آنکھوں سے پہاڑوں کے سلسلے اور ان میں رنگ برنگے پتھر دیکھتے ہیں۔ ہوا کے دوش پر اُڑتے بادلوں کو دیکھتے ہیں۔ جو چیز آنکھ کی قوت سے باہر ہوتی ہے اس کو دور بین یا خورد بین کی مدد سے دیکھتے ہیں۔ مثلاً بادلوں کے پار خلاء کا مطالعہ دور بین سے کرتے ہیں اور جب بصری دور بین بھی ناکارہ ہو جاتی ہے تو ریڈیائی دور بین سے خلاء کا معائنہ کرتے ہیں۔ پہاڑوں کے رنگ برنگے پتھروں کے ذرات کی بناوٹ کو سمجھنے کے لیے مختلف قسم کی خورد بینیں استعمال کرتے ہیں جن میں حسب ضرورت روشنی کی کرن سے لے کر الیکٹران بیم (Beam) تک کا استعمال کرتے ہیں۔ قابل غور بات یہ ہے کہ آنکھ اور کان دونوں ہی اعضاء کے استعمال میں ذہن استعمال ہوتا ہے۔ ان اعضاء کے پیغامات کو ذہن ہی وصول کرتا ہے اور پھر اسی کی مدد سے ہم غور و فکر کر کے اللہ تعالیٰ کے شاہکاروں اور اس کی تخلیق کی خوبصورتی، پیچیدگی اور کارکردگی کو سمجھ پاتے ہیں۔ اس اعتبار سے وہ تمام علوم جو صحیفہٗ فطرت کا مطالعہ کرنے والے عالموں نے وضع کیے ہیں اور جن کی مدد سے وہ خالق کی تخلیقات کا مطالعہ کرتے ہیں، علم کے دائرے میں آتے ہیں مثلاً علم طبیعات، علم حیاتیات، علم کیمیاء، علم طبقات الارض، علم ریاضی، علم طب، علم خلاء وغیرہ علم کی قرآنی تعریف کے دائرے میں آتے ہیں۔ علاوہ ازیں ہمیں یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ چونکہ قرآن عرب قوم پر اُتارا گیا تھا لہٰذا قرآن کی زبان عربی ہے تاکہ وہ اس کے معنی و مفہوم کو احسن طریقہ پر سمجھ سکیں۔ کلام پاک میں اس بات کی وضاحت سورہ ابراہیم میں اس طرح کی گئی ہے: "ہم نے اپنا پیغام دینے کے لیے جب کبھی کوئی رسول بھیجا ہے اس نے اپنی قوم ہی کی زبان میں پیغام دیا ہے تاکہ وہ انھیں اچھی طرح کھول کر بات سمجھائے۔" (14:3) عربی میں سائنس کو علم اور سائنسداں کو عالم کہا جاتا ہے۔ اپنے گزشتہ سفر کے دوران میرا شاہ عبدالعزیز یونیورسٹی کی سائنس فیکلٹی جانا ہوا تو وہاں کلیات العلوم ہی لکھا دیکھا۔

علامہ محمد لطفی جمعہ نے اپنی کتاب "فلسفہٗ اسلام" کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ "قرآن تقریباً تین سو علوم کا منبع ہے اور ان میں سے اکثر علوم کا راست ماخذ خود قرآن ہے اور دوسرے علوم قرآن کی خدمت کے لیے مدون کیے گئے ہیں۔" الجواہر فی تفسیر القرآن کے مصنف شیخ طنطاوی نے اپنی تفسیر کے دیباچہ میں لکھا ہے "قرآن میں آیات العلوم کی تعداد سات سو پچاس ہے۔ جس میں فلکیات، ریاضی، ہندسہ، طب، معدنیات، زراعت اور دوسرے علوم طبعی ہیں۔ قرآن جامع العلوم ہے۔ علمی تاریخ بھی اس بات کی شاہد ہے کہ تمام دنیوی علوم کا منبع صرف قرآن ہے۔"

اب آیئے اس بات پر غور کریں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ نے علم حاصل کرنے کی تاکید کیوں کی ہے۔ اللہ سبحانہ

تعالیٰ نے انسان کو جو کام بھی کرنے کا حکم دیا ہے اس میں انسان کے لیے مکمل فائدے ہیں جو اس کی دنیا اور عاقبت دونوں پر محیط ہیں مثلاً نہ صرف نماز بلکہ وضو میں بھی صحت و صفائی سے لے کر جسمانی ورزش تک کے وہ وہ فوائد ہیں جو فی الفور انسانی جسم کو درست کرتے ہیں اور درست رکھتے ہیں۔ اگر انسان نماز کو سمجھ کر ادا کر رہا ہے تو اس کا ذہن اللہ کی حمد و ثناء کے علاوہ اس کی ہدایات کا بھی اعادہ کرتا ہے۔ چونکہ یہ ہدایات ذہن نشین رہتی ہیں لہٰذا اس میں تقویٰ پیدا ہوتا ہے جو اس کی ذہنی اور نفسیاتی صحت کو ٹھیک ٹھاک رکھتا ہے۔ مزید یہ کہ وہ جیسے جیسے متقی ہوتا جاتا ہے اللہ کا قرب اسے حاصل ہوتا جاتا ہے۔ گویا نماز فوری دنیوی فائدوں سے لے کر قرب الٰہی حاصل کرنے تک انسان کی مدد کرتی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے سبھی احکامات ہمیں دنیوی زندگی سے آخرت تک فائدہ پہنچاتے ہیں۔

جب تک زمین پر پیغمبروں کی آمد کا سلسلہ جاری رہا انسان ان سے ہدایت کی روشنی پاتا رہا۔ اپنا ایمان مضبوط کرتا رہا۔

آں حضور ﷺ نبی آخر الزماں تھے۔ آپ پر ہی اللہ کا یہ دین مکمل کر دیا گیا۔ ایک مکمل کتاب انسان کے سپرد کر دی گئی۔ اب ایک قابل غور نکتہ یہ ہے کہ شیطان نے تو نسل انسانی کو قیامت تک گمراہ کرنے کا ارادہ کیا تھا اور اللہ سے مہلت مانگی تھی جو اسے دے بھی دی گئی تھی۔ گویا شیطانی قوتیں تو قیامت تک نسل انسانی کو گمراہ کریں گی تو پھر ان کو ہدایت دینے کا کام کس طرح ہوگا اور کون اسے انجام دے گا۔ اگر اللہ نے انسانیت کی ہدایت کے لیے نیز شیطانی قوتوں اور ان کی سازشوں سے لوگوں کو آگاہ کرنے کے لیے کوئی انتظام نہیں رکھا تو کیا نعوذ باللہ میرے منہ میں خاک، اللہ تعالیٰ ناانصاف ہے؟ ہرگز نہیں ...... اللہ سبحانہ تعالیٰ نے قیامت تک ہدایت کا فیض جاری کرنے کے لیے کلام پاک اور امت محمدی کو بھیجا ہے اور اس عمل کی کنجی علم یعنی سائنس ہے۔ بہ ظاہر عجیب اور کچھ لوگوں کو متضاد لگنے والی یہ بات در حقیقت خالق، مخلوق اور تخلیقات کے مابین ایک سیدھا سادا رشتہ ہے۔ سائنس کی مدد سے ہم چیزوں کو پہچانتے ہیں، ان کی بناوٹ، صفات اور کارکردگی کو سمجھتے ہیں۔ کائنات میں پھیلی ہوئی اللہ کی تخلیقات کا جب ہم اس طرح بغور مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں ان میں خالق کی کاریگری، عظمت اور صناعی کے نمونے نظر آتے ہیں۔ عقل حیران رہ جاتی ہے کہ واہ کیا چیز بنائی ہے۔ کیا زبردست توازن ہے، کتنی پیچیدگی ہے پھر بھی کتنا زبردست نظم و انتظام ہے کہ جو اس مشین کو چلا رہا ہے۔ اگر ہم سائنسی دریافتوں اور علوم کی تاریخ پر نظر ڈالیں تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جیسے جیسے انسان کی عقل و شعور اور واقفیت میں اضافہ ہوا ہے ویسے ویسے ہی اس پر مزید پیچیدہ اور حیران کن اسرار قدرت کے انکشافات ہوئے ہیں۔ جب انسان کا علم کم تھا تب وہ ایک معمولی سے مائیکرو اسکوپ کے ذریعے سیل (Cell) کی بناوٹ دیکھ کر ہی حیران رہ گیا تھا۔ اس کی جستجو نے جب زیادہ طاقتور " آنکھ " یعنی خوردبین بنالی تو سیل کی اندرونی بناوٹ دیکھ کر عش عش کر اٹھا۔ پھر مزید طاقتور خوردبین نے اس کو ننھے ننھے عضلات کی دنیا سے روشناس کرایا۔ الغرض یہ سلسلہ چلتا رہا اور اس پر قدرت کے راز آشکارا ہوتے گئے۔ اب اگر اس سائنسداں کا دل ایمان سے منور ہوگا تو اسے ان تمام تخلیقات میں اللہ سبحانہ تعالیٰ کی تجلیاں نظر آئیں گی۔ ہر نئی دریافت، ہر نئی پیچیدگی اس کے ایمان کو تقویت پہنچائے گی۔ وہ دل سے اللہ کی عظمت کا قائل ہوگا۔ لیجئے پیغمبر کا کام علم کے ذریعے انجام پا گیا۔ اللہ کی قدرت اور احکامات کے جو پیغام کل تک پیغمبر لاتے تھے آج سائنس لے کر آ رہی ہے۔ جبھی تو اللہ تعالیٰ اپنے قوانین، مظاہر فطرت اور تخلیقات کے مطالعہ کا حکم دیتا ہے۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا "علم رکھنے والے نبیوں کے وارث ہیں اور انبیاء کا ورثہ دینار و درہم نہیں ہیں بلکہ ان کا ورثہ علم ہے۔" (ترمذی، ابوداؤد) اب آیئے ذرا دیکھیں کہ یہ جو بات میں آپ کے سامنے رکھ رہا ہوں اسے کلام پاک سے کیونکر تقویت حاصل ہو رہی ہے۔ سورہ المومنون میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "اللہ ہی تو ہے جس نے تمہیں

سننے اور دیکھنے کی قوتیں دیں اور سوچنے کو دل دیئے۔ مگر تم لوگ کم ہی شکر گزار ہوتے ہو۔" (23:27)

غور فرمائیں آنکھ کان اور دل (بہ معنی دماغ) ہی تو وہ اعضاء انسانی ہیں کہ جن کی مدد سے وہ کائنات میں بکھری ہوئی نشانیوں کا مطالعہ کرتا ہے۔ ان اعضاء کا اس سے بہتر شکر کیا ہوگا کے ان کا صحیح اور وہی استعمال کیا جائے کہ جن کے واسطے یہ ہم کو عطا کیے گئے ہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ ان سے متعلق باز پرس بھی کرے گا۔ سورہ یونس میں ارشاد ہے: "ان سے کہو زمین اور آسمانوں میں جو کچھ ہے اسے دیکھو۔" (10:100) نظر کے لغوی معنی دیکھنے، غور کرنے، معائنہ کرنے اور سوچنے کے ہیں۔ گویا ہمیں جس طرح بھی ممکن ہو کائنات کا بغور مطالعہ کرنا چاہئے۔ یہ مطالعہ ہم کس طرح کریں اس بات کو سمجھنے کے لیے ایک نسبتاً واضح مثال کا سہارا لیتے ہیں۔ کلام پاک میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ نماز پڑھیں۔ اب یہ مسلمان کی ذمہ داری ہے کہ نماز ادا کرنے کے لیے جو ضروری کام ہیں ان کو وہ انجام دے۔ یعنی پاک صاف ہو، کپڑے پاک ہوں، وضو کرے اور پھر مسجد میں جا کر صحیح طریقے سے نماز ادا کرے۔ اسی طرح اگر کائنات کے بغور مطالعہ کی ذمہ داری ہمیں دی گئی ہے، اللہ کا ایک واضح حکم ہے تو ہمیں چاہئے کہ اس حکم کی تعمیل میں کائنات میں گھومنے کی کوشش کریں۔ گھومنے اور سفر کرنے کے لیے تیز سواریاں ایجاد کریں۔ کائنات میں پھیلے ہوئے مظاہر کے بغور مطالعے کے لیے اگر آنکھ ناکافی ہے تو ایسے آلات ایجاد کریں کہ ہم کائنات کی اشیاء کا گہرائی و گیرائی سے مطالعہ کر سکیں۔ اگر ہم ایسا کریں گے تو یقیناً اللہ تعالیٰ کی عظمت کے قائل ہوتے چلے جائیں گے۔ تاہم حقیقت کیا ہے اس کی طرف اللہ تعالیٰ نے سورہ یوسف میں اشارہ کیا ہے: "زمین اور آسمانوں میں کتنی ہی نشانیاں ہیں جن پر سے یہ لوگ گزرتے رہتے ہیں اور ذرا توجہ نہیں کرتے۔ ان میں سے اکثر اللہ کو مانتے ہیں مگر اس طرح کہ اس کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہراتے ہیں۔" (12:105-106) اس آیت میں بیک وقت کئی باتیں بیان کی گئی ہیں۔ واضح طور پر تو ان لوگوں کا ذکر ہے جو اللہ کی کائنات اور اس کی تخلیقات کی طرف توجہ نہیں دیتے یعنی لاعلم، غافل اور جاہل رہتے ہیں۔ دوسری طرف زمین اور آسمانوں کی نشانیوں پر سے لوگوں کے گزرنے کا ذکر ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ یہ بات بیان فرماتا ہے کہ زمین اور آسمان میں انسان اتنا سفر کرے گا کہ ان نشانیوں پر سے گزرے گا۔ اس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ مستقبل میں خلائی سفر اس حد تک اور اتنے عام ہوں گے کہ انسان اللہ کی نشانیوں پر سے گزرتا ہوا جائے گا۔ ایک اہم ترین نکتہ یہ ہے کہ جب انسان اللہ کی تخلیقات پر غور نہیں کرے گا تو لازماً وہ اس کی عظمت کا پوری طرح قائل نہیں ہوگا۔ ایسی صورت میں لازم ہے کہ وہ شرک میں مبتلا ہو جائے گا۔ جیسا کہ فرمایا ہے کہ ان میں سے اکثر مشرک ہوں گے۔ اللہ اللہ! کتنی واضح بات ہے کے انہی نشانیوں پر جو غور کر کے آگے بڑھے وہ متقی ہو گیا۔ مسلم ہو گیا اور جو صرف نظر کر گیا، لاپرواہ رہا وہ مشرک ہو گیا۔ اس شرک کا انجام ہلاکت کے علاوہ اور کیا ہو سکتا ہے۔ سورہ الاعراف میں اسی ہلاکت کی اطلاع دی گئی ہے "کیا ان لوگوں نے آسمان و زمین کے انتظام پر کبھی غور نہیں کیا اور کسی چیز کو بھی جو خدا نے پیدا کی ہے، آنکھیں کھول کر نہیں دیکھا۔ شاید ان کی موت کا وقت قریب آ گیا ہے۔" (7:185)

آیت کا لفظ کلام پاک میں دو معنی میں استعمال ہوا ہے۔ ایک تو ان سورہ کے لیے جو اللہ تعالیٰ کا پیغام ہے اور کلام پاک میں درج ہے۔ دوسرے ان تمام نشانیوں کے لیے جو کائنات میں پھیلی پڑی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے کائنات میں پھیلی اپنی نشانیوں کے مطالعے کی کس قدر تاکید کی ہے اس کا اندازہ اس طرح ہو سکتا ہے کہ قرآن حکیم میں نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، طلاق وغیرہ جیسے ارکان اور سماجی امور سے متعلق آیات کی تعداد ڈیڑھ سو ہے جبکہ مطالعہ کائنات سے متعلق 756 آیتیں کلام پاک میں ہیں۔ اس سے نعوذ باللہ یہ مقصود نہیں کہ جن امور و احکام سے متعلق کم آیات ہیں وہ کم اہم ہیں اور مطالعۂ فطرت

زیادہ اہم ہے۔ ایسا نہیں ہے۔ بلکہ یہاں بھی اللہ کی مشیت کا ایک نمونہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا ہے اور وہ اس کی فطرت سے واقف ہے نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج وغیرہ ایسے ارکان ہیں کہ جو دین کا لازم حصہ سمجھے جاتے ہیں۔ تاہم یہ مکمل دین بھی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مطالعہ فطرت کا جو بار بار ذکر کیا ہے وہ اس بات کی تصدیق کرتا ہے کہ اس قوم پر ایک دور وہ آئے گا کہ جب یہ احکام الٰہی کے ایک حصے کو پکڑ کر بیٹھ جائے گی۔ مزید یہ کہ جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے مطالعہ فطرت کے نتیجے میں ہی انسان پر رفتہ رفتہ وہ راز کھلیں گے کہ جو ہر دور میں اللہ کی عظمت کو ثابت کریں گے، حق کو واضح کریں گے اور لوگوں کی ہدایت کا ذریعہ بنیں گے۔

اہل علم سے متعلق دو اہم بیانات کلام پاک میں دعوت فکر دیتے ہیں۔ سورہ فاطر میں ارشاد ہے: "کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ آسمان سے پانی برساتا ہے اور پھر اس کے ذریعے سے ہم طرح طرح کے پھل نکال لاتے ہیں جن کے رنگ مختلف ہوتے ہیں۔ پہاڑوں میں بھی سفید سرخ اور گہری سیاہ دھاریاں پائی جاتی ہیں جن کے رنگ مختلف ہوتے ہیں اور اسی طرح انسانوں اور جانوروں اور مویشیوں کے رنگ بھی مختلف ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے بندوں میں سے صرف علم رکھنے والے لوگ ہی اس سے ڈرتے ہیں۔" (35:26-27)

ان آیات میں سر دست تین اشارے نظر آتے ہیں۔ اوّل یہ کہ کائنات میں رنگوں کے اختلاف میں بھی راز ہیں۔ یہ اشارہ علم جینیات (Genetics) اور علم طبقات الارض (Geology) سے متعلق ہے۔ دوسرے یہ کہ ان چیزوں کا علم رکھنے والے ہی اللہ کی عظمت اور کارکردگی کو اس طرح سمجھتے ہیں اور مرعوب رہتے ہیں کہ اللہ سے ڈرتے ہیں۔ تیسرے یہ کہ ان آیات میں بندگی کے درجات کی طرف بھی اشارہ ملتا ہے کہ علم نہ رکھنے والے بھی اللہ کے بندے ہیں اور ہو سکتے ہیں تاہم ان میں سے صرف علم رکھنے والے ہی اس سے ڈرتے ہیں یعنی متقی ہوتے ہیں۔ علاوہ ازیں ان آیات سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ اصلی علم صحیفۂ فطرت کے مطالعہ سے ہی حاصل ہوتا ہے۔

کفر یا انکار دو طرح سے ہوتا ہے۔ اوّلاً زبان سے کہ آپ کسی چیز کی موجودگی سے انکار کردیں۔ دوسرا عملاً کہ آپ زبان سے تو انکار نہ کریں لیکن آپ کا عمل اس کی موجودگی کا منکر ہو۔ مثلاً ایک سرکش بچہ منہ سے بھی کہہ سکتا ہے کہ میں ابا کا کہنا نہیں مانتا۔ دوسری صورت میں وہ منہ سے تو کچھ نہیں کہتا بلکہ ابا جان، ابا جان کی رٹ بھی لگاتا ہے تعریفیں بھی کرتا ہے لیکن ابا حضور کے زیادہ تر احکامات کی خلاف ورزی کرتا ہے۔ کچھ ایسا ہی معاملہ ہم لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کر رہے ہیں۔ کلام پاک کے کچھ احکامات کو، کہ جن پر عمل کرنا آسان ہے ہم نے اپنا لیا ہے جبکہ دیگر احکامات سے اس طرح آنکھیں موڑلی ہیں کہ ہم عملاً ان کے منکر ہو چکے ہیں۔ سورہ البقرہ میں ارشاد ہے: "تو کیا تم کتاب کے ایک حصے پر ایمان لاتے ہو اور دوسرے حصے کے ساتھ کفر کرتے ہو۔ پھر تم میں سے جو لوگ ایسا کریں۔ ان کی سزا اسکے سوا اور کیا ہے کہ دنیا کی زندگی میں ذلیل و خوار ہو کر رہیں اور آخرت میں شدید ترین عذاب کی طرف پھیر دیئے جائیں۔" (2:84)

آگے ارشاد ہے "اے ایمان والو! تم پورے کے پورے اسلام میں آجاؤ۔" (2:207)

ذرا غور کیجئے۔ آج ہماری ذلّت و خواری کی وجہ یہی تو نہیں ہے کہ ہم نے کلام پاک کے ایک حصے کو تو اپنا لیا ہے لیکن بقیہ احکامات کی طرف سے غافل ہو چکے ہیں۔ افسوس یہ ہے کہ ہم نے جن احکامات کی طرف سے رخ پھیر لیا ہے انہی میں نہ صرف ہماری اجتماعی فلاح پوشیدہ ہے بلکہ دنیا و آخرت میں سرخروئی و کامیابی ہے اور انہی پر عمل کر کے ہم خیر امت کے فریضے کو نبھا سکتے ہیں۔ صحیفۂ فطرت یعنی اللہ تعالیٰ کی کائنات کے مطالعے کو آج ہم نے اپنے اوپر لگ بھگ حرام کرلیا ہے۔ ہمارے تعلیمی اداروں کی اکثریت ان کو دنیوی علوم کے خانے میں رکھ کر ان سے کنارہ کش ہو چکی ہے۔ اب آیئے ذرا غور

کریں کہ سورہ النمل میں اللہ تعالیٰ کیا فرماتا ہے: "اور ذرا تصور کرو اس دن کا جب ہم ہر امت میں سے ایک فوج کی فوج ان لوگوں کی گھیر لائیں گے جو ہماری آیات کو جھٹلایا کرتے تھے۔ پھر ان کو مرتب کیا جائے گا۔ یہاں تک کہ جب سب آ جائیں گے تو ان کا رب ان سے پوچھے گا کہ تم نے میری آیات کو جھٹلا دیا حالانکہ تم نے ان کا علمی احاطہ نہ کیا تھا اگر یہ نہیں تو اور تم کیا کر رہے تھے۔" (27:83) یعنی اگر تم اللہ کی آیات کا علمی احاطہ نہیں کر رہے تھے تو پھر کیا کر رہے تھے...... کیا اس سے بھی زیادہ واضح انداز میں صحیفۂ فطرت کے مطالعے کا حکم ہو سکتا ہے کہ جس میں عبرت بھی ہے اور انکار کا انجام بھی پیش کر دیا گیا ہے۔ کائنات میں پھیلے اللہ تعالیٰ کے مظاہر قدرت اور مخلوقات سے انسان کس طرح سبق لے سکتا ہے، اس کا ایک بہترین نمونہ ہمیں سورہ مائدہ میں ملتا ہے۔ جب حضرت آدم علیہ السلام کے ایک بیٹے نے اپنے بھائی کو قتل کر دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "پھر اللہ نے ایک کوا بھیجا جو زمین کھودنے لگا تاکہ اسے بتائے کہ اپنے بھائی کی لاش کیسے چھپائے۔ یہ دیکھ کر وہ بولا "افسوس مجھ پر۔ میں اس کوے جیسا بھی نہ ہو سکا کہ اپنے بھائی کی لاش چھپانے کی تدبیر نکال لیتا۔ اس کے بعد وہ اپنے کیے پر بہت پچھتایا۔" (5:31) یہاں مظاہر فطرت سے نہ صرف علمی سبق کی مثال بیان کی گئی ہے بلکہ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ کس طرح ان مظاہر سے سبق لینے والے ہدایت کی راہ پا جاتے ہیں۔ اگر ایسی واضح مثالوں کے بعد بھی ہم علم کو تقسیم کیے ہوئے ہیں تو پھر اس کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے کہ یہ اس دین کے خلاف کافروں کی ایک ایسی سازش ہے کہ جس کی طرف سورہ بقرہ میں اشارہ ہے "وہ تو تم سے لڑے ہی جائیں گے حتیٰ کہ اگر ان کا بس چلے تو تمہیں اس دین سے پھیر لے جائیں۔ تم میں سے جو کوئی اپنے دین سے پھرے گا اور کفر کی حالت میں جان دے گا اس کے اعمال دنیا و آخرت دونوں میں ضائع ہو جائیں گے۔" (2:217) ذرا سوچئے کیا دین کے واضح احکامات سے پھرنا دین سے پھرنا نہیں ہے؟

قصہ مختصر یہ کہ جب ہم دین سے پھرے تو علم سے بھی پھرے اور جب ہم علم سے پھرے تو علمی مزاج سے بھی پھرے۔ اب ہم آنکھیں رکھتے ہوئے اندھے ہیں کیونکہ ہم اللہ کی آیات کی تلاوت تو کرتے ہیں لیکن ان کو سمجھ کر اللہ کی قدرت کا مطالعہ و مشاہدہ نہیں کرتے۔ ان پر غور و فکر نہیں کرتے۔ صحیفۂ فطرت میں جستجو نہیں کرتے۔ مسند نشین ہو کر آیات کی گردان کرتے ہیں۔ اس مسئلے کے تمام پہلوؤں کا جائزہ لینے کے بعد آیئے اب اس بات پر غور کریں کہ اس صورت حال کو کیونکر تبدیل کیا جا سکتا ہے۔ علم کی تقسیم نے ہمارے علمی اداروں کو بھی تقسیم کر دیا ہے "دنیوی علوم" کے اداروں میں بچوں کو اسلامی تعلیمات میسر نہیں آتیں اور "دینی علوم" کے اداروں میں علم کا مکمل احاطہ نہیں ہوتا۔ یہاں یہ بات بھی غور طلب ہے کہ اگر بچے کو اسلام کی مکمل تعلیم نہیں دی جائے گی تو جدید علوم سے آراستہ ہو کر بھی وہ ایک نافع انسان نہیں بن پائے گا۔ علم اور ایمان زندگی کی گاڑی کے دو پہیے ہیں اگر ایک میں بھی جھول ہوا تو گاڑی ٹھیک نہیں چل سکتی۔ قرآنی تعلیمات کی روشنی میں جو ذہن پرورش پاتا ہے اس میں انسانیت کی چاشنی ہوتی ہے۔ اس جسم میں اسلامی روح ہوتی ہے جو اسے لوگوں کی بھلائی کے کاموں پر آمادہ کرتی ہے۔ تاہم یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ راقم جس اسلام کی تعلیمات کی بات کر رہا ہے وہ محض چند ارکان پر مشتمل نہیں ہیں بلکہ اس کا اشارہ اس مکمل ضابطۂ حیات کی طرف ہے کہ جس کی تعلیم قرآن میں دی گئی ہے۔ افسوس کی بات تو یہ ہے کہ آج ہمارے دینی مدارس میں بھی قرآنی تعلیمات پر وہ توجہ نہیں دی جاتی جو کہ اس کتاب کا حق ہے۔ عالمیت کرنے والے بیشتر طلباء کے نصاب میں بھی صرف ایک کتاب جلالین شامل ہے جو کہ ایک مختصر ترین تفسیر ہے۔ مزید ستم یہ کہ اکثر مدارس میں یہ تفسیر بھی مکمل نہیں ہو پاتی کہ طالب علم کو فراغت مل جاتی ہے۔ اس اعتبار سے دیکھیں تو دینی مدارس کے طلباء کو بھی آج قرآنی تعلیمات کی اتنی ہی ضرورت ہے کہ جتنی کہ دیگر مدارس کے

طلباء کو ہے۔ان تمام حقائق کی روشنی میں ہم صرف یہ نتیجہ اخذ کرسکتے ہیں کہ ہمیں ہر حال میں اور ہر سطح پر قرآن کی طرف لوٹنا ہے۔ اس کو سمجھنا ہے اور اس کی روشنی میں اپنے تعلیمی نصاب ترتیب دینے ہیں۔ ہمیں ایسی مکمل درسگاہیں تیار کرنی ہیں کہ جن میں مسلم علماء تیار کیے جائیں۔ ہمیں اپنی یہ سوچ بدلنی ہے کہ مدرسے اور مسجد کی تعمیر میں چندہ دینا ثواب جاریہ ہے اور دنیوی تعلیم کے مدارس کو بنانا فضول یا زیادہ سے زیادہ دنیوی فائدے اور شہرت کا کام ہے۔ یاد رکھئے ہر نافع علم کا فروغ ایک خالص دینی کام ہے۔ میں پورے یقین اور ایمان کے ساتھ یہ بات آپ کے سامنے باہوش و حواس کہہ رہا ہوں اور آپ حضرات اس پر گواہ ہیں۔ آج کا دور سائنسی دور ہے۔ سائنس سے واقفیت ایک طرف ہمارا ایمان مضبوط کرتی ہے تو دوسری طرف یہ دیگر اقوام کو اسلام کی طرف راغب کرنے میں زبردست کردار ادا کرسکتی ہے بلکہ کررہی ہے۔اس جانب عملی پیش قدمی کے لیے ضروری ہے کہ اوّل تو ہم گھر گھر قرآن فہمی کا اہتمام کریں۔ اس طرح کے علمی اجلاس کم از کم مہینے میں ایک بار منعقد کریں کہ جس میں کلام پاک پر غور وخوض ہو۔ دوسرے یہ کہ انفرادی سطح پر ہم میں سے ہر کوئی اللہ کے کلام کا بغور اور بامعنی مطالعہ کرے تاکہ اسے سمجھ کر اس پر عمل کرسکے۔ ساتھ ہی ہر دم اللہ سے دعا کریں کہ وہ ہمیں ہدایت اور نیک توفیق دے۔ تیسرے یہ کہ ہمیں اس انداز کے معلم تیار کرنے ہوں گے جو مکمل مسلم ذہن رکھتے ہوں اور جدید علوم میں بھی ماہر ہوں۔اس کے لیے قابل عمل ترکیب یہ ہے کہ ہم میں سے جو لوگ علوم پر مہارت رکھتے ہیں وہ رضاکارانہ طور پر کلام پاک کا بغور مطالعہ کرکے ،نیز علمائے قرآن کی مدد لے کر اپنے آپ کو تیار کریں یا دیگر حضرات کو اس نہج پر تیار کریں۔ معلمین کی تیاری کے بعد ہمیں اس انداز کے "ماڈل مدارس" بنانا ہوں گے جہاں "مکمل تعلیم" کا انتظام ہو۔ ان مدارس میں قرآن ناظرہ، ترجمہ اور تفسیر کے علاوہ جدید علوم اور زبانوں کا نصاب ہو۔ 10+2 کے انداز میں بچہ یہاں سے فارغ ہوکر پھر چاہے تو جدید علوم میں مہارت حاصل کرے یا پھر اگر حدیث اور فقہ اور دیگر علوم شرعیہ کی تعلیم کا طلب گار ہو تو ان مدارس سے رجوع کرے جو ان علوم کی تعلیم دیتے ہوں۔ ایسا ہر طالب علم کم از کم قرآنی تعلیمات سے بخوبی واقف ہوگا لہٰذا توقع کی جاسکتی ہے کہ اس کا کردار اور معاملات مسلم ہوں گے نیز مصالحتوں اور گنجائشوں سے پاک ہوں گے۔ قرآنی تعلیمات اس کے مشاہدے، تجربے، تجزیے اور فکر و تحقیق کی فطری صلاحیتوں کو ابھاردیں گی۔ انھی صلاحیتوں کو تو آج ہم سائنسی فکر اور شعور کے نام سے جانتے ہیں۔اس انداز پر تربیت شدہ عالم دنیا کے سامنے اسلام کی صحیح اور مکمل ترجمانی کرسکے گا۔ اب وقت آگیا ہے کہ ہم اپنی غلطیوں کا احساس کریں۔ تاہم ان پر نادم ہونے ، اشک بار ہونے ،ان کا ماتم کرنے یا ان کے لیے ذمہ دار کون ہے اس بحث میں جانے یا ذمہ داروں کا مرثیہ پڑھنے سے یہ مسئلہ حل نہیں

ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں جہاد و عمل کا حکم دیتا ہے۔ اس بُرائی سے لڑنے کے لیے ہم میں سے ہر ایک کو اپنی اپنی سطح پر کمربستہ ہونا ہوگا۔ ہمیں ایک صالح، نافع اور مجسم ہمدرد و مفید معاشرے کے طور پر ابھرنا ہوگا جبھی ہم اس دنیا میں عزت کے ساتھ زندہ رہ پائیں گے۔

حوالہ جات:

(1) خالد یار خاں۔ تاریخ تعلیم، اردو مرکز لاہور۔1960

(2) سید مناظر حسین گیلانی۔ ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت (حصہ اوّل) ندوۃ المصنفین۔ دہلی۔1944

(3) فضل کریم خاں درّانی۔ اسلامی نظام تعلیم، قومی کتب خانہ لاہور۔1932

(4) سیّد نوشہ علی (ایڈیٹر) مسلمانان ہندوپاک کی تاریخ تعلیم۔ سلمان اکیڈمی، کراچی۔1963

(5) Education Under Asaf Jah VII : A retrospect. Hyderabad (Dn).The Govt. Central Press, 1945

(6) Di Bona , Joseph(Ed).One Teacher One School . Biblia Impex(P) Ltd, New Delhi .1983

(7) سیّد نوراللہ، جے۔ پی نائک۔ تاریخ تعلیم ہند، نیشنل بک ٹرسٹ انڈیا نئی دہلی۔1973

(8)Mahmood , Syed . A History Of English Education In India (1781-1893). M.A.O. College, Aligarh.1895

(9) Dutt, R.P India Today. People 's Publishing House , Bombay, 1949

(10) Faruqi,Z.H.The Deoband School And The Demand For Pakistan .Asia Publishing House, Bombay,1959

(11)Indian National Congress: Language Policy. Muslim India . Jan.1985

(12) شیخ محمد اکرام، موج کوثر۔ مرکنٹائل پریس، لاہور۔1940

(13) ضیاء الحسن فاروقی وغیرہ (مرتبین) مجیب صاحب۔ احوال وافکار، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، دہلی۔1984

(14) George Sarton .An Introduction To The History Of Science London.1936

(15) Robert Brifalt . The Making Of Humanity . London.1983

(16) مولانا ابوالکلام آزاد۔ غبار خاطر۔ ساہتیہ اکادمی۔ نئی دہلی

(17)Donald Campbell. Arabian Medicine And Its Influence On The Middle Ages.(Vol.I).London.1926

(18) طہٰ حسین مترجم مولانا عبدالسلام ندوی۔ ابن خلدون۔ معارف پریس اعظم گڑھ۔1940

(19) مولانا ابوالحسن علی ندوی۔ مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش۔ ندوۃ العلماء۔1963

اسلام اور علم

عبد الغنی شیخ ۔ لیہ ، لداخ

علم سیکھنا اسلام کی بنیادی تعلیم ہے ۔ قرآن پاک کی بیسوں آیتیں اور نبی کریمؐ کی بیسیوں احادیث اس امر کا ثبوت ہیں کہ حصول علم کو اسلامی تعلیمات میں مرکزی اہمیت حاصل ہے ۔ ان حدیثوں کو صحیح بخاری ، صحیح مسلم ، سنن ابی داؤد ، سنن نسائی ، سنن ابن ماجہ ، جامع ترمذی ، مسند طبرانی وغیرہ میں دیا گیا ہے ۔ ایک مضمون میں ان آیتوں اور حدیثوں کا احاطہ نہیں ہو سکتا۔

امت کے زوال اور مسلمانوں کی پسماندگی کا سب سے بڑا سبب جہالت اور لاعلمی ہے۔

حضرت محمد ﷺ پر سب سے پہلے جو وحی نازل ہوئی اس کا پہلا لفظ ' **اقراء** ' تھا۔ یعنی 'پڑھو' اس کے بعد ان کی ساری عمر امت کی تعلیم و تدریس میں گزری۔ اگرچہ حضورؐ امی تھے ، لیکن وہ بچپن سے ہی علم و عرفان کے متلاشی ہی نہیں تھے بلکہ قدر دان بھی تھے۔ ان دنوں حصول علم کے ذرائع نہیں تھے۔ سارے مکہ میں لے دے کر صرف سترہ آدمی پڑھنا لکھنا جانتے تھے ۔ آپ نے اپنے مشاہدے اور غور و فکر کا سہارا لیا وہ اکثر مکہ سے دو تین میل کے فاصلے پر غار حرا میں تنہا بیٹھ جاتے تھے اور وہاں اپنا بہت سا وقت کائنات کی تخلیق اور اس کے خالق کی قدرت پر غور و فکر کرتے تھے ۔ آپ اکثر سوچا کرتے کہ کائنات کا خالق کون ہے اور مخلوق سے اس کا کیا واسطہ ہے۔ وہ خدا سے دعا کرتے کہ وہ حقیقت ان پر آشکارا کرے۔

نبوت کے بعد حضورؐ نے اجتماعی زندگی میں اپنے فرمودات اور عمل سے علم کو فروغ دیا۔ انھوں نے اعلان کیا کہ انھیں معلم بنا کر بھیجا گیا ہے۔

آنحضرت ﷺ کے زمانے میں علوم و فنون زیادہ نہیں تھے ۔ لیکن جو فنون تھے ، وہ ترقی پذیر تھے۔ ان میں ایک طبابت اور دوسرا علم ہیئت تھا۔ حضورؐ اس علم میں اچھی واقفیت رکھتے تھے ۔ قبلہ کا تعین حضورؐ نے کیا تھا۔ آپ ستاروں کی مدد سے بیت المقدس یا بیت المقدس سے مکہ یا مدینہ جانے والے راستے کی رہنمائی فرما سکتے تھے۔ عسکریت اور نسب و نسل سے متعلق بھی معلومات حاصل کرنے کی ترغیب فرماتے تھے۔ (1)

حضورؐ کو ہمیشہ نئی باتیں جاننے کا تجسس رہتا تھا۔ انھوں نے ایک دیوانے نوجوان ابن سعد کی حرکات و سکنات کا مشاہدہ کیا۔ دیوانگی کی یاوہ گوئی سنی۔ اس سے سوالات کیے۔ اس کے مزاج کی کیفیت کو جانچا اور پرکھا اور ایک درخت کے پیچھے چھپ کر اس کی باتیں سننے لگے۔ (2)

قرآن پاک نے صاحب علم اور بے علم میں ایک حد فاصل قائم کی ہے اور علم والے کو بلند درجہ دیا ہے۔ قرآن کہتا ہے:

"تم میں سے جو ایمان رکھنے والے ہیں ، اور جن کو علم بخشا گیا ہے ۔ اللہ ان کو بلند درجات عطا فرمائے گا" (سورہ المجادلہ آیت:2)

" جسے حکمت عطا کی گئی۔ اسے حقیقت میں بڑی دولت عطا کی گئی۔" (سورہ البقرہ۔ آیت 269)

کیا بے علم والے علم والوں کے برابر ہیں؟

علم والے کو ایک درجہ (مرتبہ) دیا جاتا ہے۔

قرآن تمام بنی نوع انسان کو ہدایت دیتا ہے کہ وہ علم حاصل کریں اور خدا سے دعا مانگیں کہ انھیں زیادہ سے زیادہ علم دے ۔ اور " عرض کرو کہ اے میرے رب مجھے علم زیادہ دے "۔ (20-114)

مدینہ منورہ ہجرت کے بعد سب سے پہلے حضورؐ نے

ایک مسجد تعمیر کی اور اس مسجد کے اندر صفہ ایک حصہ تھا، جو تعلیم کے لیے مخصوص تھا۔ صفہ سے مراد پلیٹ فارم ہے۔ ایک پلیٹ فارم بنایا گیا جو دن کے وقت تعلیم گاہ کا کام دیتا اور رات کے وقت بے خانماں لوگوں کے لیے سونے کی جگہ کے کام آتا تھا۔ ستر یا اسّی طلباء اس درس گاہ میں زیر تعلیم تھے۔ حضرت معاذ بن جبل اس درسگاہ کی مالیات کے ناظم تھے۔

صفہ میں تعلیم پانے والے طالب علم دو قسم کے تھے۔ کچھ شہر میں رہتے تھے اور پڑھ کر چلے جاتے تھے لیکن کچھ ایسے تھے، جن کا کوئی گھر نہیں تھا اور وہ رات بھی وہیں گزارتے تھے۔ آنحضرتؐ ان کے لیے بیت المال سے خورد و نوش کا انتظام فرماتے۔ یہ لوگ خود بھی محنت کر کے کماتے تھے۔ تعلیم کے سلسلے میں شاگردوں سے کچھ لینے کی صریحاً ممانعت تھی۔ حضورؐ کو فرصت ملتی تو آپؐ درس دیا کرتے تھے اور بہت سے دوسرے لوگ بھی اس درس میں شریک ہوتے۔

مدینے میں عہد نبویؐ میں نو مسجدیں تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو حکم دیا کہ اپنے محلے کی مسجد میں اپنے ہمسایوں سے تعلیم حاصل کریں۔ سبھی مرکزی مسجد میں نہ آئیں کیونکہ اس طرح طالب علموں کی تعداد بڑھ جانے کا اندیشہ تھا۔

اس حدیث کے عین مطابق کہ "علم حاصل کرنا ہر مرد اور عورت پر فرض ہے۔" اسلام کے ابتدائی زمانے میں مسجد نبویؐ میں مردوں کے علاوہ عورتیں بھی حاضری دیتی تھیں۔ جہاں حضورؐ وعظ و نصیحت فرماتے۔ بقول ڈاکٹر محمد حمید اللہ دونوں کے لیے بیک وقت استفادہ کرنے کا امکان تھا۔

حضرت عمر کی ایک رشتہ دار خاتون شفار بن عبداللہ پڑھی لکھی تھیں، وہ بھی مدینہ ہجرت کر کے آئی تھیں۔ حضورؐ نے ان کو مدینہ کے ایک بازار میں ایک عہدہ پر مامور کیا۔ انھیں ایسا ہی کام سپرد کیا جس کا تعلق لکھنے پڑھنے سے تھا۔

مسجد نبویؐ میں اسلام کی تعلیمات، قیامت، روح اور دوسرے مسائل پر تبادلہ خیال ہوتا تھا۔ یہ علم کلام کی ترویج کا پہلا مرحلہ تھا۔ ان کی وفات کے بعد مکہ اور مدینہ میں لوگ اسلام اور اس کے اصولوں سے فیض یاب ہونے کے لیے آتے تھے۔ یہ سلسلہ تب بھی جاری رہا جب مسلمانوں نے ایران اور شام پر قبضہ کیا۔ اسی ادارے نے مفسرین، متکلمین، حکماء اور صوفیاء پیدا کیے۔(3)

اسی طرز پر بعد میں کوفہ میں امام ابو حنیفہؒ کے اسکول میں دینی بحث و مباحثہ ہوتا تھا۔ کبھی کبھی ایک مسئلے پر ہفتہ بھر بحث چلتی تھی۔ یہ سلسلہ تقریباً بائیس سال تک چلا۔ امام ابو حنیفہؒ پیش آمدہ سوالوں کے جوابات تلاش کرتے تھے۔ جو ان دنوں ملت کو درپیش تھے۔(4)

> حضورؐ نے ایک دفعہ فرمایا: "ایک عالم کی مجلس میں حاضری دینا ہزار رکعت نماز پڑھنے یا ہزار مریضوں کی عیادت کرنے اور ہزار جنازوں میں شرکت کرنے سے بہتر ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ کیا قرآن کی تلاوت سے افضل ہے؟ آپ نے سوال کیا "کیا قرآن بغیر علم کے مفید ہے؟"

جنگ بدر میں پکڑے گئے جن قیدیوں کو لکھنا پڑھنا آتا تھا۔ حضورؐ نے ان سے مالی فدیہ طلب کرنے کے بجائے فرمایا کہ ان میں سے ہر شخص دس دس مسلمان بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دے۔

گورنر کے فرائض میں یہ بھی شامل تھا کہ وہ اپنی حدود کے دائرے میں رہنے والے لوگوں کی تعلیم کا انتظام کرے۔ حضورؐ کی حیات کے دوران حضرت معاذ بن جبلؓ یا عمرو بن حزمؓ میں سے ایک کو یمن میں تعلیم کے اعلیٰ افسر کی حیثیت سے بھیجا جاتا تھا جو گاؤں گاؤں جا کر تعلیم و تدریس کا انتظام کراتے تھے۔(1)

بہت سی احادیث میں علم کی فضیلتیں، سچے علم اور علم نافع کی وضاحت، معلم کی عزت، دینی اور دنیوی تعلیم کی ضرورت، والدین پر بچوں کی تعلیم کا فرض اور علم حاصل کرنے کے لیے مختلف مثالوں سے ترغیب و تاکید کی گئی ہے۔

عالموں کو نبیوں کا وارث قرار دیا گیا ہے اور ان کا مرتبہ عابدوں اور شہداء سے بلند ٹھہرایا گیا ہے۔

اسلام کے نزدیک علم ایک مسلسل اور مستقل عمل ہے۔ جسے ایک انسان کو تادم حیات جہاں بھی ملے، بٹورنا ہے۔ چند حدیثیں ملاحظہ ہوں:

معہد سے لحد تک علم حاصل کرو۔

ایک ساعت کا تفکر اور تدبر ایک سال کی عبادت سے بہتر ہے۔

ایمان دار کے واسطے فلسفہ علم ایک کھوئے ہوئے اونٹ کی طرح ہے۔ جہاں کہیں ملے، پکڑلو۔

مومن کا پیٹ بھلی باتوں (علم) سے نہیں بھرتا۔ وہ سنتا رہتا ہے، یہاں تک کہ جنت میں پہنچ جاتا ہے۔

حضورؐ نے ایک دفعہ فرمایا: "ایک عالم کی مجلس میں حاضری دینا ہزار رکعت نماز پڑھنے یا ہزار مریضوں کی عیادت کرنے اور ہزار جنازوں میں شرکت کرنے سے بہتر ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا۔ یارسول اللہ کیا قرآن کی تلاوت سے افضل ہے؟ آپ نے سوال کیا۔ "کیا قرآن بغیر علم کے مفید ہے؟"

ان فرمودات کا اثر تھا کہ بہت سارے لگ شمع علم کے پروانے بن گئے اور اسلام نے صدیوں تک متعدد بلند پایہ علماء، فقہاء، محدثین، مفسرین، متکلمین، مورخین، فلسفی، سائنسداں اور جغرافیہ داں پیدا کیے۔

فلسفی ابن رشد لکھتے ہیں۔ "میں نے زندگی میں صرف دو راتیں مطالعہ نہیں کیا۔ ایک رات جب میری والدہ کا انتقال ہوا، دوسری رات جب میری شادی ہوئی۔"

علامہ ابن جوزی گہرا ذوق مطالعہ رکھتے تھے اور ہر موضوع کی کتابیں پڑھتے تھے۔ وہ اپنے متعلق لکھتے ہیں "میری طبیعت کتابوں کے مطالعہ سے کسی طرح سیر نہیں ہوتی۔ جب کسی نئی کتاب پر میری نظر پڑتی ہے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کوئی دفینہ ہاتھ آگیا۔ اگر میں کہوں کہ میں نے بیس ہزار کتابوں کا مطالعہ کیا ہے تو بہت زیادہ معلوم ہوگا۔ اور یہ طالب علمی کا ذکر ہے۔" وہ لکھتے ہیں "فقیہ کو چاہئے کہ ہر فن کے ضروری حصے سے واقف ہو، چاہے تاریخ ہو یا حدیث، لغت ہو یا کوئی اور فن ہو۔ فقہ تمام علوم کا محتاج ہے۔"

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے وعظ و نصیحت سننے کے لیے سارا بغداد ٹوٹ پڑتا تھا۔ ان میں عام لوگوں کے علاوہ بادشاہ، وزراء، علماء فقہاء ہوتے۔ بہت سارے جویان علم قلم دوات ساتھ لے کر آتے تاکہ آپ کے ارشادات قلمبند کریں۔ ایک ایک مجلس میں چار چار سو دواتیں شمار کی گئی ہیں۔ (5)

امام غزالی کا شوق علم ملاحظہ ہو۔ جنگل میں مسافروں کو ڈاکو لوٹ لیتے ہیں۔ امام غزالی ڈاکوؤں کے سردار کے پاس جاکر اپنا تھیلا مانگتا ہے۔ ڈاکوؤں کا سردار تھیلا دیکھتا ہے۔ اس میں رکھے کچھ کاغذات اور چھوٹی چھوٹی کاپیاں دیکھ کر کہتا ہے:

"اس کچرے کے لیے تم پریشان ہو؟"

"ہاں"

"ان پر کیا لکھا ہے؟"

"میں ایک طالب علم ہوں۔ اس لیے میں نے وہ ضروری یادداشتیں لکھیں ہیں جو ایک عمر کی تحقیق کا نتیجہ ہیں۔"

متعدد علماء نے انفرادی طور پر سیکڑوں کتابیں لکھیں۔ ابن تیمیہ کے مطابق علامہ جوزی کی تالیفات ہزار تک ہیں۔ امام غزالی اور البیرونی کی تصنیفات سو سے تجاوز کرتی ہیں۔

البیرونی پہلا شخص ہے جس نے سنسکرت سیکھی اور ہندوؤں کی قدیم مذہبی کتابوں کا مطالعہ کیا۔ امام غزالی نے لکھا ہے کہ انھوں نے ہر مذہب اور جماعت کے لوگوں کے خیالات اور نظریات کو پرکھا۔ (6)

امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد امام محمد رات کو گہرا مطالعہ کرتے تھے۔ ایک رات انکے چند رفقاء نے ان سے کہا کہ وہ مسلسل نہ

جاگیں تاکہ ان کی صحت خراب نہ ہو۔ امام محمد نے جواب دیا "لوگ تو اس بھروسے پر سو رہے ہیں کہ کوئی نیا مسئلہ ہمارے سامنے آئے گا تو محمد کے پاس جائیں گے۔ محمد بھی اگر سو جائے تو لوگ کہاں جائیں گے ؟"

ایک رات علامہ انور شاہ سخت علالت اور ضعف کی حالت میں لالٹین کی روشنی میں مطالعہ کر رہے تھے۔ علامہ شبیر احمد عثمانی نے جب انھیں کہا کہ وہ اس تکلیف میں یہ مشقت کیوں اٹھا رہے ہیں۔ علامہ نے جواب دیا "بھئی، یہ بھی ایک بیماری ہے۔ مطالعہ بھی ایک بیماری ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ بیماری مجھے عطا فرمائے۔ یہ بیماری ہمارے بزرگوں کو بھی تھی۔ راتوں کو جاگ کر انھوں نے امت مسلمہ کی رہنمائی کی ہے۔ اب بہت بھاری ذمہ داری ہم پر آ گئی ہے۔ (7)

حدیث ہے "جو شخص علم کی جستجو میں سفر کرتا ہے، اسے خدا جنت کا راستہ دکھاتا ہے"۔ حدیثوں کو جمع کرنے کے لیے محدثین نے اسلامی دنیا کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک کا سفر کیا۔ جو وسط ایشیاء سے اندلس تک پھیلا ہوا تھا۔ شہر شہر اور قریہ قریہ پیدل گئے۔ اکثر محدثین نے ایک ہی حدیث کی تلاش میں بہت سی جگہوں کے سفر کیے۔ سعید بن المسیب ایک ایک حدیث کی تلاش میں کئی راتیں اور کئی دن مسلسل سفر کرتے تھے۔ مکحول نے ایک حدیث کی تلاش میں حجاز، عراق، شام اور مصر کا سفر کیا۔ (8)

محدثوں نے 767ء سے 855ء تک تمام حدیثیں جمع کیں اور اسی کے بعد نئی حدیثوں کا تعین ختم ہوا۔

اسلام ترک دنیا کے خلاف ہے اور شریعت اور طریقت میں تخصیص نہیں کرتا۔ مشہور حدیث ہے۔ علم حاصل کرو، خواہ تمہیں چین کا سفر کیوں نہ کرنا پڑے۔

دینیات کے علاوہ مسلمان دوسرے مضامین پڑھتے تھے۔ مساجد اسلام کی یونیورسٹیاں تھیں۔ اساتذہ اور علماء بڑے قابل اور فراخدل ہوتے تھے۔ (9)

مسلمانوں کی جتنی بھی اعلیٰ و ارفع درسگاہیں ماضی میں رہی ہیں، ان میں دینی و عصری علم کی تخصیص نہیں تھی۔ خطاطی ہو یا ریاضی کے فارمولے، تعلیم کے اصول ہوں یا قرآن و سنت کی تفسیر، تمام علوم ایک ہی نہج اور ایک اسلوب میں پڑھائے جاتے تھے۔ (10)

ایک دن رسول اکرمؐ اپنے حجرۂ مبارک سے نکل کر مسجد کے اندر آئے اور دیکھا کہ وہاں دو گروہ ہیں۔ ایک گروہ تسبیح پڑھنے اور ذکر و اذکار میں مشغول تھا۔ دوسرا گروہ علم حاصل کر رہا تھا۔ حضورؐ نے فرمایا کہ اگرچہ دونوں گروہ اچھا کام کر رہے ہیں لیکن وہ گروہ بہتر ہے جو تعلیم کا کام کر رہا ہے۔ پھر آپؐ اسی گروہ میں شامل ہو گئے۔

مسلمانوں کی جتنی بھی اعلیٰ و ارفع درسگاہیں ماضی میں رہی ہیں۔ ان میں دینی و عصری علم کی تخصیص نہیں تھی۔ خطاطی ہو یا ریاضی کے فارمولے، تعلیم کے اصول ہوں یا قرآن و سنت کی تفسیر، تمام علوم ایک ہی نہج اور ایک ہی اسلوب میں پڑھائے جاتے تھے۔ (10)

حضرت علیؓ کا قول ہے "دن بھر روزہ رکھنے والے اور رات بھر جاگ کر عبادت کرنے والے مجاہد سے عالم افضل ہے۔"

اسلام اس علم کے خلاف ہے جس سے بنی نوع انسان کو کوئی فائدہ نہ ہو۔ اور اس عالم کا مخالف ہے جو دوسروں کو اپنے علم کا فیض نہیں پہنچاتا۔

آنحضرتؐ کا ارشاد ہے "اس علم سے اللہ کی پناہ مانگو جو نفع نہ دے۔" اس ضمن میں رسول مقبولؐ نے مزید فرمایا ہے: "وہ علم جس سے کوئی مستفید نہ ہو، اس خزانے کی مانند ہے جس سے کوئی خیرات راہ خدا میں نہیں دی جاتی۔"

جس شخص سے علم کی کوئی ایسی بات پوچھی جائے، جس

کو وہ جانتا ہے اور وہ اس کو چھپائے تو قیامت کے دن اس کے منھ میں آگ کی لگام دی جائے گی۔

لوگ اپنے پڑوسیوں کو لازماً تعلیم دیں ......اسی طرح لوگوں کو اپنے پڑوسیوں سے علم حاصل کرنا ہوگا۔

علم سکھاؤ اور سختی نہ کرو۔

علم نافع سے متعلق ایسی کئی اور حدیثیں ہیں۔

والد یا سرپرست کے لیے حدیث کہتی ہے:" باپ کا کوئی عطیہ بیٹے کے لیے اس سے بڑھ کر نہیں کہ اس کو اچھی تعلیم و تربیت دے۔

اسی طرح علماء اور معلموں کی عزت و احترام کے لیے کئی حدیثیں ہیں۔امام شافعیؒ تو اپنے استاد کے گھر کی طرف پاؤں کرکے سونے سے بھی گریز کرتے تھے۔ ایسا نہ ہو کہ اس سے بے ادبی کا پہلو نکلے۔امام شافعیؒ کہتے تھے کہ جب وہ امام مالک کی خدمت میں حاضر ہوتے اور پڑھنے بیٹھتے تو کتاب کا ورق الٹنے میں بھی احتیاط کرتے تھے۔

ربیع امام شافعیؒ کے شاگرد تھے۔ وہ کہتے ہیں:" مجھے جب امام شافعیؒ سے درس لینا ہوتا اور مجھے سخت پیاس بھی لگتی تو اپنی جگہ سے نہیں اٹھتا تھا درس کے دوران اٹھ جانا بے ادبی کی بات ہے۔(11)

امام ابو حنیفہؒ کے صاحبزادے حماد نے جب پڑھنا شروع کیا اور ان کے استاد نے سورہ فاتحہ ختم کرائی تو امام نے ان کو ایک ہزار روپے نذر کیے۔ معلم نے امام سے کہا۔ میں نے کونسا بڑا کام کیا ہے کہ آپ اتنی بڑی رقم مجھے دے رہے ہیں۔امام نے جواب دیا۔تم نے میرے بچے کو جو کچھ سکھایا ہے اسے حقیر مت سمجھو۔ اللہ کی قسم اگر میرے پاس اس سے زیادہ رقم ہوتی تو وہ بھی میں بے تامل دیدیتا۔ کیونکہ جو دولت میں تم کو دے رہا ہوں وہ ختم ہو جائے گی اور جو دولت تم میرے بچے کو دے رہے ہو۔ وہ باقی ہی نہیں رہے گی بلکہ بڑھتی چلی جائے گی۔(13)

حضرت علی کرم اللہ وجہ کا قول ہے"جس نے مجھے ایک حرف بھی سکھایا میں اس کا غلام ہوں، چاہے وہ مجھے بیچ دے، آزاد کردے یا غلام بنائے رکھے۔

ایک حدیث ہے۔" جہاں علم اور حلم جمع ہو جائیں ان سے بہتر کوئی دو چیزیں یکجانہ ملیں گی۔

علماء کوئی بھی کام کرنے کو عار نہیں سمجھتے تھے۔امام ابو حنیفہؒ بزاز تھے۔امام کرخی موچی تھے۔شمس الائمہ حلوائی تھے۔امام ابو جعفر بھی نعش دوز تھے اور علامہ مروزی قفل ساز تھے۔

ائمہ اربعہ الگ الگ مسلک پر چلتے ہوئے دوسرے مسالک کی قدر کرتے تھے۔امام ابو حنیفہؒ نے امام مالک کی تعریف کی ہے۔امام شافعیؒ نے امام مالک اور امام ابو حنیفہ کی تبحر علمی کو سراہاہے۔امام احمدؒ نے امام شافعیؒ کو خراج تحسین پیش کیا ہے۔(12)

امیہ، عباسی، فاطمی اور اسپین کی اسلامی حکومتوں کے دور میں علم اور سائنس میں نمایاں پیش رفت ہوئی۔ خاص کر خلیفہ مامون اور ہسپانیہ میں مسلمان حکمراں عبدالرحمٰن الناصر کے دور میں دینی اور دنیوی علوم میں بڑی ترقی ہوئی۔

مامون کے عہد میں جہاں امام بخاریؒ امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبل، امام واقدی اور حافظ بن ہشام جیسے علمائے دین تھے، وہاں مسعودی، یعقوب کندی، محمد بن موسیٰ خوارزمی اور فرغانی جیسے دانشور، فلسفی اور سائنسداں بھی تھے۔مامون کے بیت الحکمت میں دنیا کے ہر خطے کے علماء موجود تھے۔

علامہ نصر بن تمثیل نے مامون کی قدر دانی کا شہرہ سن کر بصرہ سے خراسان جانے کا قصد کیا تو ان کی مشایعت کے لیے جو لوگ شہر سے نکلے ان کی تعداد قریباً تین ہزار تھی۔ جن میں ایک شخص بھی ایسا نہ تھا جو محدث، نجومی، عروض یا اصولی کے معزز لقب سے بے نیاز نہ ہو۔(13)

مامون نے روم اور یونان کے کتب خانوں کی کتابوں کا عربی میں ترجمہ کرایا جنھیں مسلمانوں نے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ابن خلدون نے اس پر یوں تبصرہ کیا ہے:

"اہل اسلام کے ارباب فکر و نظر ان علوم پر ٹوٹ پڑے ......اور حکمائے یونان کے نظریات پر شدید تنقید کے لیے مستعد ہو گئے۔ ارسطو کے نظریات پر تحقیقی اور تنقیدی نظر ڈالی۔ان میں

کسی کو رد کیا اور کسی کو قبول کیا۔ اور بڑی بڑی کتابیں تصنیف کیں۔ ان علوم میں اگلوں سے گویا سبقت لے گئے۔ ان اکابر میں فارابی، بو علی سینا، ابن رشد اور ابن ماجہ مشہور ہیں۔"

عبدالرحمٰن الناصر کے دور میں تفسیر، علم حدیث اور سیرت نگاری کو بڑھاوا ملا۔ اور دوسری طرف فلسفہ، طبیعیات، طب، تاریخ، جغرافیہ، ریاضی، فلکیات وغیرہ کے علوم میں بے پناہ ترقی ہوئی۔ ابن رشد، ابن خلدون، ابن ماجہ، ابن طفیل، ابن خطیب اور ابن ہیثم اس دور کی پیداوار ہیں۔ (14)

پروفیسر فلپ ہتی رقم طراز ہے: "اس زمانہ میں جب عرب علماء ارسطو کا مطالعہ کر رہے تھے۔ یورپ میں شارلیمان، اور اس کے امراء اپنے نام کے ہجے سیکھ رہے تھے۔ قرطبہ میں سترہ بڑے کتب خانے تھے۔ اس زمانے میں جب آکسفورڈ کے عالم غسل خانے کو بے دینیوں کی رسم تصور کرتے تھے، قرطبہ کے مسلمان سائنس داں پر تکلف حماموں سے لطف اندوز ہو رہے تھے"۔ (15)

ابن خلدون جیسے نامور مورخ دور تاریکی کے فرنگ سے متعلق یہ سوچتے تھے کہ یہ قومیں اس قدر غبی کیوں ہیں؟ جس طرح بعض علمائے فرنگ ایشیا اور افریقہ کی پسماندگی کو گرم آب و ہوا پر معمول کرتے ہیں۔ (16)

نوبل انعام یافتہ ڈاکٹر عبدالسلام نے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں ایک تقریب میں تقریر کرتے ہوئے کہا، "اگر تقریباً ڈھائی ہزار سال کی ایسی شخصیتوں کا نام لیا جائے جنھوں نے ہر پچاس سال کے بعد انسان کے علم میں اضافہ کیا تو اسلام کے آغاز سے چودھویں صدی تک اس میں مسلمان عالموں، ماہرین، فلسفیوں اور سائنس دانوں کے بکثرت نام آئیں گے لیکن اس کے بعد ایسے نام تلاش کرنا بہت مشکل ہو گا۔ (17)

اس دور میں لائبریریاں اسلامی زندگی اور سماج میں اہم مقام رکھتی تھیں۔ قرطبہ شہر میں سترہ لائبریریاں تھیں۔ بڑی لائبریری میں چار لاکھ کتابیں تھیں۔ الحکیم کی لائبریری چالیس بڑے کمروں پر مشتمل تھی اور ہر کمرے میں اٹھارہ ہزار کتابیں تھیں۔ فاطمی حکومت کے بیت الحکمۃ میں بیس لاکھ کتابیں تھیں۔ شاہ ایران آزاد دولہ کی لائبریری خزینۃ الکتب شیراز میں تھی۔ لائبریری کی عمارت میں تین سو ساٹھ کمرے اور پویلین تھا۔ امراء اور علم دوست افراد کی اپنی نجی لائبریریاں تھیں۔ کچھ لائبریریاں عالموں اور علم نواز افراد کو فراخ دلی سے کتابیں مستعار دیتی تھیں۔

ابوالقاسم اسماعیل دسویں صدی عیسوی میں ایران کا وزیر اعظم تھا۔ اس کی لائبریری میں ایک لاکھ سترہ ہزار قلمی کتابیں تھیں۔ اسے کتابیں بے حد عزیز تھیں۔ چنانچہ وہ جب بھی

> جس شخص سے علم کی کوئی ایسی بات پوچھی جائے، جس کو وہ جانتا ہے اور وہ اس کو چھپائے تو قیامت کے دن اس کے منہ میں آگ کی لگام دی جائے گی۔

ملک کے دورے پر روانہ ہوتا تھا تو وہ تمام کتابیں حروف تہجی کی ترتیب سے اونٹوں پر رکھی جاتی تھیں اور وزیر اعظم کو جس وقت جس کتاب کی ضرورت ہوتی تھی وہ اس وقت اس کی خدمت میں حاضر کر دی جاتی تھی۔ ابولقاسم اپنی اس قیمتی لائبریری کو میدان جنگ میں بھی لے جاتا تھا۔ (18)

ان دنوں قابل اور ذی علم افراد لائبریریوں کے منتظم اعلیٰ بنائے جاتے تھے۔ سائنس داں اور فلسفی بو علی سینا لائبریری کے سربراہ رہے۔ فلسفی اور مورخ ابن مسکویہ بھی لائبریرین تھے۔

عقلیت کے مظاہر مغرب کے اس حصے میں ہوئے جو سب سے بڑھ کر اسلامی دنیا کے زیر اثر آیا۔

مولانا ابوالحسن علی ندوی کے مطابق یورپ کی ترقی کا کوئی ایسا شعبہ نہیں ہے جس میں اسلامی تمدن کا دخل نہ ہو۔ (17)

یورپ کی درس گاہوں میں عربی پڑھائی جانے لگی اور مسلم شہروں میں یورپ سے طلباء حصول علم کے لیے جانے لگے۔ مسلمانوں کی تصنیفات کا یورپی زبانوں میں ترجمہ ہونے لگا۔

جدید مورخین نے لگ بھگ یہ تسلیم کیا ہے کہ یورپ کی نشاط ثانیہ (Renaissance) کا اہم ترین محرک وہ علوم تھے، جو مسلمانوں کی معرفت یورپ تک پہنچے۔ (19)

لیکن حالت نے منفی کروٹ لی۔ نویں صدی میں اجتہاد کا دروازہ بند ہوا اور علوم عقلیہ سیکھنے کی حوصلہ شکنی ہونے لگی۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رقم طراز ہیں۔ "نویں صدی میں علماء اور متکلمین نے نہ صرف فقہ بلکہ الٰہیات کو بھی اصول و ضوابط کی زنجیروں میں جکڑ دیا۔ تحقیق و اجتہاد کا دروازہ بند ہو گیا۔...... مقدمین کی علم آموز اور ذوق آفریں کتابیں نصاب تعلیم سے رفتہ رفتہ خارج کر دی گئیں ان کی جگہ ان متاخرین کی کتابیں آگئیں جو اپنے فن میں درجہ اجتہاد نہیں رکھتے تھے اور مقدمین کے صرف شارح یا مقلد تھے"۔ (17)

دسویں صدی کا آخری حصہ عقلیت اور سائنس کے حق میں نحوست کا زمانہ تھا...... ایسے میں مفکرین کی ایک چھوٹی جماعت نے مسلمانوں میں علم کی شمع روشن رکھنے کے لیے ایک انجمن قائم کی۔ اس کا نام اخوان الصفار کھا۔ انجمن کے ارکان خاموشی سے اس کے سربراہ زید بن رفاعہ کے مکان پر جمع ہوتے تھے اور مختلف سائنسی اور علمی موضوعات جیسے ریاضیات، ہئیت طبعیات، کیمیات، موسمیات، عفویات، ارضیات، نباتات، اخلاقیات، مابعد الطبیعیات، حیاتیات، منطق، جر ثقیل وغیرہ پر تبادلہ خیال کرتے تھے۔ اور اپنے حاصل مباحثوں اور نتائج فکر کو رسائل کی صورت میں شائع کرتے تھے۔ ان علمی رسالوں کو جو سرکاری یا نجی کتب خانوں میں تھے، سب کے سب کو 1150ء میں خلیفہ مستنجد کے حکم سے جلا دیا گیا۔ 1192ء میں حکیم الرکن عبدالسلام پر دہریت کا الزام لگایا گیا اور ان کی کتابیں عوام اور ملاؤں نے مل کر سر بازار جلائیں۔ لوگ کتابیں اٹھا اٹھا کر ایک ملا کے ہاتھ میں دیتے تھے اور وہ چند کلمات کہہ کر آگ میں پھینکتا جاتا تھا، جب ابن الہیثم کی ہیئت پر لکھی کتاب اس کے ہاتھ آئی تو اس نے لوگوں کو وہ دائرہ دکھا کر جسے مصنف نے کرہ سماوی کو ظاہر کیا تھا۔ اس عالم نے بڑے غیض و غضب سے کہا "ہیہات! ہیہات! یعنی غضب! غضب! اور یہ کلمات کہہ کر کتاب کو آگ میں جھونک دیا۔ (20)

تنگ نظر علماء کا خیال تھا کہ احادیث اور فقہ کے مرتب ہونے کے بعد مزید کوئی تحقیق یا اجتہاد کی ضرورت نہیں۔ انھوں نے صرف تقلید پر زور دیا۔

عالم اسلام میں علم دشمنی کا ایک دور شروع ہوا جو مسلمانوں کے تنزل اور تباہی کا پیش خیمہ تھا۔ متعصب حملہ آوروں نے یہی نہیں بلکہ خود مسلمانوں نے علم اور سائنس کی نادر کتابوں اور تصنیفات کو نذر آتش کیا۔

تصوف اور فلسفہ نے مسلمانوں کو تحقیق اور علم سے دور کر دیا۔ ان کا زیادہ وقت کثرت اذکار، ریاضت اور عبادت میں گزرنے لگا۔ بہت سے دانشور فلسفے میں افراط و تفریط کے شکار تھے۔ اور یونانی فلسفہ کی تاویلات اور توجیہات کو من و عن قبول کرنے لگے۔ تب امام غزالی نے امت کی رہنمائی کی۔

امام غزالی کی تبحر علمی اور دینی خدمات کے قطع نظر، بعض محققوں نے لکھا ہے کہ امام غزالی اور امام اشعری نے حصول علم اور سائنسی تحقیق پر کچھ پابندی لگادی۔

امام غزالی علم طبیعیات کے مخالف تھے۔ انھوں نے علم طب اور علم ریاضی کو اسی حد تک جاننے کے لیے کہا جس حد تک انسان کی ضروریات پوری ہوتی ہیں۔ (21)

ابن خلدون جیسے دانشور اور سرکردہ مورخ رقم طراز ہیں:

"ہم نے حال میں سنا ہے کہ فرنگیوں کے ملک بحر روم کے شمالی ساحل کے علاقوں میں طبیعیاتی فلسفہ کا بڑا چرچا ہے۔ اس کی تعلیم مختلف درجوں میں بار بار دی جاتی ہے اور ان علوم کی تشریح تفصیل سے کی جاتی ہے۔ ان کے جاننے والے بہت ہیں اور طلباء کی تعداد بھی بیشمار ہے۔ واللہ اعلم۔ لیکن ہم اتنا جانتے ہیں کہ ان علوم سے ہماری مذہبی معلومات میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا۔ اس لیے ان سے دور ہی رہنا بہتر ہوگا"۔ (22)

مختلف دور میں برگزیدہ اور ممتاز علماء کے خلاف تکذیب اور تکفیر کے فتوے لگائے گئے۔ اور امام تیمیہ، امام غزالی، امام ابو حنیفہ، امام شافعی اور امام نسائی جیسی ہستیاں ان سے نہیں بچیں۔ ایک مسلم دانشور لکھتے ہیں:

"ہماری بدقسمتی دیکھئے کہ جس زمانے میں کپلر نظام شمسی کی تحقیق میں لگا ہوا تھا، ہم بادشاہت کے نشہ میں مدہوش تھے۔ جب کوپرنکسن سورج کو مرکز عالم قرار دے رہا تھا تو ہم شراب اور شباب کو اپنا مرکز نگاہ بنائے ہوئے تھے۔ جب گلیلیو دوربین بنا کر کائنات کا مشاہدہ کر رہا تھا، تو ہم اسلاف کی قبروں پر گنبد تعمیر کر رہے تھے۔ جب ہرشل اور زمن لیکر کائنات کی تخلیق کے تعلق سے اپنے نشریات پیش کر رہے تھے تو ہم اس وقت وضو اور تیمم کے مسائل میں الجھے رہے اور جب ہمارے اسلاف کی کتابیں مغربی ممالک کی یونیورسٹیوں میں پڑھائی جارہی تھیں تو اس وقت ہم چنگ و رباب کی محفلوں میں قہقہے بلند کر رہے تھے۔" (23)

ڈاکٹر عبدالسلام لکھتے ہیں: "جو ترک ہندوستان آئے۔ علم سے ان کی رغبت نسبتاً کم تھی۔ وہ اپنی یادگاریں، مزار اور مقبرے تو چھوڑ گئے۔ مدرسے اور تجربہ گاہیں نہیں۔"

ترکوں، ہندوستانیوں، ایرانیوں اور مصریوں کو مغربی یورپ کی برتری کا اندازہ اٹھارویں صدی کے اختتام سے پہلے نہیں ہوا۔

پچھلی صدی کے دوران بلادِ عربیہ علم میں بہت پیچھے تھے۔ شام میں جہالت عام تھی۔ پچھلی صدی کے دوران حلب میں کسی سپاہی کا خط اس کے گھر آتا تو گھر والے اس خط کو لے کر بہت سے دروازوں پر دستک دیتے۔ تب کہیں جا کر کوئی خط پڑھنے والا ملتا۔ یہی صورت حال خط لکھوانے میں پیش آتی۔ لگ بھگ تمام عرب ممالک میں یہی حال تھا۔ (24)

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مسلمانوں کی علمی کم مائگی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"عالم اسلام اور عالم عربی کی بے مائگی و کم ہمتی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ خالص اسلامی و عربی موضوعات پر بھی عرصۂ دراز سے مستشرقین ہی کی کتابوں پر دارومدار ہے اور اپنے موضوع پر ایک طرح سے کتاب مقدس (Gospel) کی حیثیت رکھتی ہیں۔"

ایک عرب دانشور عبدالرحمٰن شیلگام نے دو دہائی پہلے نیویارک ٹائمز کو انٹرو دیتے ہوئے جو بات کہی تھی آج بھی مسلم قوموں پر بہت حد تک اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ انھوں

> تنگ نظر علماء کا خیال تھا کہ احادیث اور فقہ کے مرتب ہونے کے بعد مزید کوئی تحقیق یا اجتہاد کی ضرورت نہیں۔ انھوں نے صرف تقلید پر زور دیا۔

نے کہا تھا "ہم یہاں ٹی وی دیکھ رہے ہیں۔ فون استعمال کر رہے ہیں اور یہ سوچ رہے ہیں کہ ہم بیسویں صدی کا حصہ ہیں لیکن ہم ماچس کی ایک تیلی نہیں بنا سکتے۔ ہم سوچتے ہیں کہ ہم ترقی پسند ہیں کیونکہ ہم نئی تہذیب کی چیزیں استعمال کر رہے ہیں۔ لیکن یہ خام خیال ہے۔" (25)

روزنامہ "دعوت" کے مطابق ہندوستان میں آج ایک ہزار میں صرف چار مسلمان گریجویشن کر پاتے ہیں۔

ہندوستان میں اسلامی درسگاہوں میں وہی نظام تعلیم ہے جو چار سو برس پہلے سے چلا آرہا ہے اور نصاب کو قرآن پاک، حدیث، فقہ، منطق اور ان سے متعلق علوم تک محدود رکھا ہے۔

آج وہی قوم دنیا میں مضبوط اور ترقی کی راہ پر گامزن ہے جو زیور تعلیم سے آراستہ ہے اور سائنس اور ٹکنالوجی کو فروغ دے رہی ہے۔ سبھی ایسی قوموں کی دہلیز پر جبہ سائی کرتے ہیں۔

آج کل جاپانی زبان میں چھپنے والی سائنسی کتابیں انگریزی

زبان میں ترجمہ ہو کر مقبولیت حاصل کر رہی ہیں۔ اس کی وجہ الیکٹرونکس میں جاپان کی ترقی ہے۔

انیسویں صدی تک جاپان سائنس اور تکنالوجی میں بہت پیچھے تھا۔ حتیٰ کہ پچھلی صدی کے اوائل میں جاپانی گھوڑے کو نعل لگانا نہیں جانتے تھے۔ جاپانیوں نے نعل بندی سے آگاہی حاصل کرنے کے لیے امریکی ایڈمرل پیری کے جہاز سے رات کے اندھیرے میں ایک گھوڑا چرایا اور نعل کو پرکھ کر دوسرے روز گھوڑے کو واپس کر دیا۔

ستمبر 1959ء میں جب روس کا راکٹ چاند پر پہنچا تو امریکی ماہرین نے خلائی تکنالوجی میں روسی زبان کی کتابوں کا ترجمہ لازمی سمجھا۔ اور روسی زبان کی کتابوں اور جرائد کا انگریزی میں ترجمہ کر کے انھیں امریکہ میں شائع کیا گیا۔ (26)

ایک زمانہ وہ بھی تھا جب یورپ عربی زبان کا گن گاتا تھا۔

یہ مسلمہ امر ہے کہ کوئی بھی مغربی ملک یہ نہیں چاہتا ہے کہ اسلامی ممالک سائنس اور تکنالوجی میں ترقی کریں اور ان سے برتری حاصل کریں۔ اس ضمن میں آیت اللہ خمینی کے اس تاثر کا حوالہ دینا بے جا نہ ہوگا جو انھوں نے اپنی تصنیف "اسلامی حکومت" میں دیا ہے۔

"سامراجیت کی یہ کوشش ہے کہ ہم صرف نماز، روزہ کے پابند رہیں اور ہماری زندگی میں اسلام صرف عبادت تک محدود رہے تاکہ ہمارا اس سے کبھی سیاسی ٹکراؤ نہ ہو۔ سامراجیت ہم کو دعوت دیتی ہے کہ ہم نماز پڑھتے رہیں جتنا جی چاہے اور ہمارے پٹرول پر قبضہ رہے۔ ہماری نماز سے اس کو کوئی نقصان نہیں ہے"۔

آج مسلمان ذہنی و فکری طور پر دوسری قوموں سے پیچھے ہیں۔ اس کی بڑی وجہ ہماری لاعلمی ہے۔ ہمیں آج شاہ ولی اللہ، جمال الدین افغانی سرسید اور اقبال کی ضرورت ہے۔ مسلم مفکر علامہ امیر شکیب ارسلان نے مسلمانوں کے زوال کے

لیے ذیل کے چار اسباب بتائے ہیں:

جہالت ، کم علمی ،اخلاقی تنزل اور علماء اور سلاطین کا زوال(27)۔

نومسلم محمد پکھتال تعلیم پر زور دیتے ہوئے لکھتے ہیں ”مسلمانوں کے لیے فی زمانہ پہلا کام یہ ہونا چاہئے کہ جہالت کو ختم کرائیں جو مسلمانوں کے زوال کی بنیادی وجہ ہے۔اسلام جہالت کو نہیں مانتا۔جہاں جہالت ہے،وہاں اسلام نہیں'۔(9)

پیغمبر اسلام ﷺ کے یہ ارشادات سب کے لیے چراغ راہ ہیں۔

”علم حاصل کرو کیونکہ جو شخص راہ حق میں علم حاصل کرتا ہے وہ ایک کار تقویٰ انجام دیتا ہے۔جو شخص اس کا ذکر کرتا ہے۔وہ خدا کی حمد وثنا کرتا ہے۔جو شخص اس کی جستجو کرتا ہے،وہ خدا کی عبادت کرتا ہے۔جو شخص دوسروں کو علم پہنچاتا ہے وہ خیرات تقسیم کرتا ہے...... وہ(علم) ہمارے لیے آسمان کی شمع راہ ہے۔وہ صحرا میں ہمارا رہبر، خلوت میں ہمارا انیس اور بے یاری کی حالت میں ہمارا عالم ہے۔وہ خوشی میں راہ راست پر رکھتا ہے اور غم میں ہمت باندھتا ہے۔وہ دوستوں میں زینت اور دشمنوں میں ڈھال ہے“۔

حواشی:

1 ۔ اسلامی ریاست۔عہد رسالت کے طرز عمل سے استشہاد۔ از ڈاکٹر محمد حمید اللہ

2 ۔ Reconstruction Of Religious Thought in Islam Dr. Mohamad Iqbal

3 ۔ Outline Of Islamic Culture - A.M.A. Shushtery

4 ۔ مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

5 ۔ خلافت اور عزیمت۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

6 ۔ مسلمان سائنس داں اور ان کی خدمات۔ ابراہیم عماد عضدوی

7 ۔ فقہ اسلامی۔ ترتیب: مجاہد الاسلام قاسمی

8 ۔ علم حدیث اور چند اہم محدثین۔ سالم قدوائی

9 ۔ The Cultural Side Of Islam - Mohammad Pickthal Marmoduke

10 ۔ تعلیم و مسلمان۔ آزادی کے بعد (روزنامہ دعوت)1998

11 ۔ روشنی، جلد دوم۔ شاہ بلیغ الدین

12 ۔ بانگ درا۔ لکھنؤ اپریل1999ء

13 ۔ المامون۔ شبلی

14 ۔ انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر۔ سید ابوالحسن علی ندوی

15 ۔ History Of Arabs- Philip Hitti

16 ۔ فکر اقبال۔ از خلیفہ عبدالحکیم

17 ۔ نصرت اسلام۔ پروفیسر آل احمد سرور

18 ۔ محراب۔ اگست 1971ء

19 ۔ تاریخ کا سبق۔ مولانا وحید الدین خان

20 ۔ Spirit Of Islam - Syed Amir Ali

21 ۔ منقولہ۔ احیائے علوم سے صفحہ 57اور 69 قرآن کی عظمت اور نظریہ علم و سائنس از: عزیز احمد خاں

22 ۔ منقولہ۔ ڈاکٹر عبدالسلام۔ خواب و حقیقت

23 ۔ قرآن کی عظمت اور نظریہ علم و سائنس۔ عزیز احمد خاں

24 ۔ تاریخ افکار و علوم اسلامی۔ راغب الطباخ

25 ۔ حوالہ و منقولہ ۔ ہندوستان ٹائمز ، برکت احمد۔ 24/ اکتوبر 1982ء

26 ۔ اسلام پندرھویں صدی میں۔ مولانا وحید الدین خان

27 ۔ اسباب زوال امت۔ علامہ امیر شکیب ارسلان

عالمی کتاب میلہ

نئی دہلی کے پرگتی میدان میں 14 واں عالمی کتاب میلہ 13-5 فروری 2000ء منعقد کیا جارہا ہے۔ کتاب میلے میں عاشقان سائنس ،ماہنامہ سائنس کے اسٹال پر ضرور تشریف لائیں جہاں سائنس کے نادر و نایاب شماروں کے علاوہ، اردو میں سائنسی موضوعات پر شائع کتابیں بھی دستیاب ہوں گی۔

علم کی تقسیم یا ترتیب!

سید عقیل الغروی
پرنسپل جامعۃ الثقلین دہلی

جامۂ ہستی کا تارو پود علم اور قدرت سے تیار ہوا ہے۔ علم اور وجود یا ہستی (Existence) میں عینیت کا رشتہ ہے۔ اور اسی طرح علم اور قدرت میں بھی۔ جس طرح وجود کی تعریف (Definition) ناممکن ہے اسی طرح علم کی تعریف بھی ناممکن ہے۔اور جس طرح وجود کی تقسیم واجب اور ممکن میں کی گئی ہے اسی طرح علم کی تقسیم بھی ابتدائی طور پر علم واجب اور علم ممکن میں کی جاسکتی ہے۔ اور پھر ممکنات کی درجہ بندی کے ساتھ ساتھ علم کی درجہ بندی بھی ممکن ہے لیکن اس کے علاوہ علم کی کوئی تقسیم قطعی طور پر غیر واقعی اور غیر حقیقی ہوگی۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ وجود (اصالتِ وجود کے نظریہ کے مطابق)ایک مقولہ تشکیکی ہے۔یہ ذو مراتب ہے۔ اور واحد غیر عددی ہے۔ اس میں جلوۂ کثرت ظاہری طور پر نظر تو آتا ہے مگر حقیقتاً اس میں کثرت کو راہ نہیں۔ بس یہی حال علم کا ہے۔ دینی زاویۂ فکر و نظر سے بھی اس بات کی تصدیق یوں ہوتی ہے کہ علم اللہ تعالیٰ عزاسمہ وجل شانہ (حضرت واجب الوجود) کے صفات ذاتیہ میں سے ہے اور علم کلام یا فن کلام (اصول دین کے اثبات و تحقیق کے علمی نظام) کے بیشتر محققین کی رائے یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات ثبوتیہ (یا صفاتِ جمالیہ) عین ذات ہیں زائد برذات نہیں ہیں۔ یعنی وہی ذاتِ عالم و علیم و علم ہے !اور علم ہی قدرت ہے !(کہ وہ بھی صفاتِ ثبوتیہ میں شامل ہے!)

قرآنِ حکیم اور یہ ساری کائنات گواہ ہے کہ ذات واجب سبحانہ تعالیٰ کے جملہ صفات میں سے سب سے زیادہ جو صفت ظاہر ہوئی ہے وہ فیضان رحمت ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم (آیت قرآنی)

سبقت رحمتہ غضبہ (حدیث نبوی)

اور جو صفت سب سے کم معرض شہود و مطلع ظہور پر آشکارا ہوئی وہ علم ہے۔

وما اوتیتم من العلم الا قلیلا(85-17)

لیکن از راہ کرم وقل رب زدنی علما کا آہنگِ طلب بھی انسان کا حسن طبیعت قرار دیا گیا ہے۔

انسان کے دامن وجود میں آنے والا حصۂ علم، علم کل یا علم مطلق کے مقابلے میں جتنا کم تھا اتنا ہی شعاع ریزیا تابکار بھی تھا، اور اس سے نکلنے والی ہر شعاع ایک منفرد رنگ و آہنگ رکھتی تھی ...... ظاہر بیں اور سطح انداز فکر و نظر کے سامنے اسی بناء پر "علم" کے بجائے "علوم" اور پھر "مختلف علوم" کی صورت گری ہوئی۔

بقول یاس یگانہ چنگیزی،ع جتنا جس کے گمان میں آیا!

علم کے گوناگوں مظاہر کو دیکھ کر صف اول کے ذہین اور طباع متعلمین نے علم کی تعریف ، تقسیم اور درجہ بندی کی کوششیں شروع کیں۔اور بات سلجھنے کے بجائے الجھتی چلی گئی۔ علم کی ایک تقسیم جو قدیم ترین سرمایۂ فکر و دانش کے ساتھ منتقل ہوتی ہوئی ہم تک پہنچی ہے اور اب بھی فلسفہ اور علمیات کی نصابی کتابوں میں دہرائی جاتی رہتی ہے، وہ یہ ہے کہ علم یا فلسفہ کی ابتدائی طور پر دو قسمیں ہیں : فلسفہ نظری اور فلسفۂ عملی۔ پھر ان دونوں قسموں میں سے ہر ایک کی تین تین قسمیں ہیں : فلسفۂ نظری کی تین قسمیں ہیں: ریاضیات ، طبیعیات اور مابعد الطبیعیات۔ اور فلسفۂ عملی کی تین قسمیں ہیں: تہذیب نفس یا علم اخلاق، تدبیر منزل اور سیاسیات مدن۔

علم کی تقسیم (یادرجہ بندی) کہاں تک کوئی اصولی یا منطقی حیثیت رکھتی ہے اور کیا بے چوں چرا قابل قبول ہے یا اس کے علاوہ بھی کوئی تقسیم یا درجہ بندی ممکن ہے؟ اور اس کے علاوہ جس جس طرح سے بھی علم کو تقسیم یا مرتب کرنے کی کوششیں کی گئی ہیں، وہ کہاں تک درست ہیں؟ سر دست ان سوالات سے تعرض کا موقع نہیں۔ یہ محض تقریب ہے۔ جناب مدینۃ العلم حضرت ختمی مرتبت (ﷺ) کے ایک ارشاد گرامی سے مستیز و مستفیض ہونے کی۔

روایت ہے (اور فن روایت کے لحاظ سے بے حد معتبر بلکہ صحیح ہے) کہ آنحضرت ﷺ ایک مرتبہ مسجد میں داخل ہوئے تو ایک شخص کے گرد اگرد لوگوں کی ایک جماعت ملاحظہ فرمائی۔ آپؐ نے پوچھا: ماھذا؟" یہ کیا ہے؟"...... لوگوں نے کہا"اے اللہ کے رسولؐ یہ ایک بہت ذی علم شخص ہے (رجل علامه)۔ آپؐ نے کہا (وما العلامه) علامہ کیا؟...... لوگوں نے کہا: انساب عرب اور شعر اور عربوں کے مختلف فیہ امور کے بارے میں سب سے زیادہ علم رکھتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: یہ وہ علم ہے جس کا جاننا فائدہ نہیں پہنچاتا اور جس کا نہ جاننا نقصان نہیں پہنچاتا۔ اس کے بعد فرمایا: العلم ثلاثة :آية محكمة او سنة قائمة اوفريضة عادله، وما سواهن فضل۔

آنحضرت ﷺ کے یہ "جوامع کلم" علمیات (Epistimology) کے باب میں، بطور خاص تعلیمی اور تربیتی (Educational) زاویہ فکر و نظر سے، علم کی تقسیم و ترتیب یا جملہ معلومات کی دستہ بندی اور درجہ بندی کے مسائل و مباحث میں حرف آخر کا درجہ رکھتے ہیں۔ آپ ﷺ کے یہ فقرے جو زبان زد محدثین ہیں، علماء فقہا کے حلقوں میں بھی شہرت رکھتے ہیں، ان کے ترجمے اور تفہیم کی کوششوں میں بیشتر ارباب حدیث و فقہ نے اپنے اپنے بندھے ٹکے قواعد اور مصطلحات (Terms) ہی کی پابندی فرمائی ہے۔ لیکن یہ نور بیز فقرے کہیں زیادہ فکر انگیز اور جستجو خیز ہیں...... افصح العرب بلکہ افصح الخلق کی زبان مبارک سے نزول قرآن کے عہد اعجاز میں نکلے ہوئے ان الفاظ کے وسیع اور تہہ دار معانی کو بعد کے متشرعین کی معین کردہ مخصوص اصطلاحوں کی روشنی میں محدود اور مقید کر دینا قطعی طور پر مناسب نہیں۔ اس لیے اگر ان الفاظ اور تراکیب کو ان کے تمام تر اطلاق کو ملحوظ رکھتے ہوئے یہ ترجمہ کیا جائے تو کسی طور پر بھی کوئی فنی اعتراض وارد نہیں ہوتا اور معانی و مفاہیم کے تمام نہیں تو اکثر جہات ضرور سمٹ آتے ہیں (اور کسی بھی خاص مکتب فکر سے کوئی اصطلاحی ٹکراؤ بھی نہیں ہوتا)...... کہ عالم بشریت کے معلم آخر ﷺ نے ارشاد فرمایا العلم ثلاثه علم تم بس تین ہی ہے۔

آيه محكمة کوئی معروضی حقیقت

یا

سنة قائمه کوئی پائیدار تہذیب

یا

فريضة عادله کوئی منصفانہ قانون

وما سوهن فضل اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ محض "ہنر مندی" ہے۔

پہلے فقرے آية محكمة کے ذیل میں تمام معروضی حقیقتوں کا مطالعہ شامل ہوجاتا ہے یعنی جتنی باقاعدہ (Sciences) ہیں وہ اس ایک کلی عنوان کے تحت آجاتی ہیں۔ دوسرے فقرے سنة قائمة کے ضمن میں تہذیب و ثقافت اور عمرانیات سے متعلق علم کی تمام شاخیں آجاتی ہیں اور تیسرے فقرے فريضة عادله کے ضمن میں تمام استنباطی اور برہانی علوم سمٹ آتے ہیں۔

علم اور اسلام

ڈاکٹر ایس۔این۔ایے۔رضوی
ریڈر شعبہ انگریزی ذاکر حسین کالج (دہلی یونیورسٹی)
نئی دہلی۔110002

جاہلوں کا کیا ذکر۔ پڑھے لکھے غیر مسلم اور بہت سے تعلیم یافتہ مسلم بھی اس غلط فہمی کا شکار ہیں کہ اسلام صرف دینی تعلیم پر زور دیتا ہے اور دنیاوی علوم سے غیر دلچسپی کا اظہار کرتا ہے۔ اسلام سے ناواقف حضرات کے لیے یہ غلط فہمی قابل معافی ہو سکتی ہے لیکن کسی بھی لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا کلمہ پڑھنے والے کو اس کلمۂ توحید و نبوت کو نظر انداز کرنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ جیسا کہ اسی شمارہ میں حجۃ الاسلام والمسلمین سید عقیل الغروی پرنسپل جامعۃ الثقلین کے مقالے سے عیاں ہے اللہ عالم و خالق علم ہے اور اس کا رسول ﷺ علم پر اتنا زور دیتا ہے کہ محمد کا کلمہ پڑھنے والوں کی ناواقفیت ناقابل عذر ہے۔ مشہور حدیث ہے" طلب العلم فريضة على كل مسلم و مسلمة" یعنی علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے۔ اور عربی زبان میں علم سے مراد صرف علم دین نہیں بلکہ وہ تمام علوم (Sciences) ہیں جنھیں صدیوں سے انسان اور عرب مسلمان حاصل کرتے رہے ہیں۔ رسول مقبول کا فرمان کہ علم حاصل کرو چاہے چین سے ملے اس بات کا اشارہ ہے کہ دنیا میں سائنس کا حاصل کرنا ویسا ہی دشوار امر ہے جیسا کہ ان کے زمانے میں آج سے ہزاروں سال پہلے عرب کے ریگستان سے ملک چین میں جانا تھا۔ دنیاوی علوم میں اولیت عربوں کو حاصل ہے یہ رسول مقبولؐ کی حدیثوں اور ہدایتوں کا نتیجہ ہے۔ میں یہاں ان تمام مسلمان سائنسدانوں کے نام نہیں گنوانا چاہتا جنھوں نے جغرافیہ، معدنیات، طب، سرجری، جمادات اور نباتات اور لسانیات اور دوسرے علوم عالم میں اپنا سکہ منوالیا اور آج جنوب مشرق کے بڑے بڑے سائنسداں ان کے مرہون منت ہیں۔ میں صرف آزاد اور جدید ہندوستان کی دو ایسی نایاب مثالیں پیش کرنا چاہتا ہوں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان علماء اور دانشور علم دین و علم دنیاوی میں کس قدر دلچسپی رکھتے تھے اور کیا کیا کمال حاصل کر چکے۔

(الف) پہلی مثال علامہ دکتور سید مجتبیٰ حسن موسوی کامونپوری کی ہے۔ علامہ پہلے شیعہ عالم دین ہیں جنھوں نے ہندوستان کے بہترین اداروں سے دین کی اعلیٰ تعلیم امتیاز کے ساتھ حاصل کی اور جو چیز اس صدی کے شروع تک سوچی نہ جاتی تھی یعنی ایک شیعہ عالم تخصص کے لیے ہزاروں سال قدیم جامعۃ الازہر (مصر) میں جائے اور اہل سنت سے بہترین علم حاصل کرے۔ سنی، شیعہ اتحاد کا مثالی کام انجام دے اور ازہر سے تخصص نہ صرف علوم دین بلکہ تاریخ، فلسفہ، جدید طرز تعلیم (Modern Pedagogy) میں کرکے ڈاکٹریٹ حاصل کرے۔ علامہ کامونپوری کو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی نے شعبہ دینیات کا صدر بنایا اور ان کی تدریس سے بیشمار ہندوستانی طلباء مستفید ہوئے۔ یہی نہیں علامہ کامونپوری نے علم دین کے ساتھ جدید دنیاوی علوم کے حاصل کرنے والوں کو ثقافتی معیار بخشا۔ مولانا نے ایک تقریر میں سامعین کو مطلع کیا کہ سب سے پہلے ابتدائی۔ اساسی اور بنیادی تعلیم کی تحصیل کے لیے اسلام نے انسان کو متوجہ کیا۔ اس اہم انسانی فریضہ تعلیم کے لیے مسلمانوں میں بے توجہی پر علامہ نے نظر کی اور ایک ادارہ علی گڑھ یونیورسٹی کے تحت قائم کیا جہاں بغیر کسی فیس یا کسی اور خرچ کے بنیادی لسانی، ثقافتی اور کردار سازی کی تعلیم کا سلسلہ شروع ہوا۔ ہفتہ میں دو روز رات کے وقت درس و تدریس کا سلسلہ چلتا رہا۔ شب میں اسکول اس لیے تھا کہ طلباء اور سروس کرنے والے بھی اس سے فائدہ اٹھا سکیں۔ نماز عشاء کے بعد حضرات جمع ہوتے اور علمی اور دینی مسائل پر

گھنٹوں بحث و مباحثہ ہوتا۔ ہفتہ میں کچھ دن ان طلباء کے لیے مخصوص تھا جو سائنس اور میڈیکل میں تھے تاکہ اسلام اور سائنس پر تقریریں کریں۔ اس تجربہ کا مقصد ہی یہ تھا کہ اس غلط فہمی کا ازالہ ہوسکے کہ مذہب اسلام اور سائنس دو متضاد چیزیں ہیں۔ اورمسلمان صرف علم دین حاصل کرے توکافی ہے۔

اس تجربے کے تحت ایک مایہ ناز سنٹرل یونیورسٹی میں سائنس اور اسلام دونوں کی تعلیم کا کام ہوا اور یہ دنیا کو معلوم ہوا کہ سائنسی تعلیم اور اسلام دو الفاظ جدا ہیں لیکن دونوں کا اصل ایک ہے۔ یعنی ارتقاء ذہن انسانی اور انسانیت میں نورعلم کی فراوانی۔

(ب) دوسرا تجربہ جس کا ذکر میں ذیل میں کر رہا ہوں بہت توجہ طلب ہے اور مسلمان دانشور اور ملک کے تعلیمی احکام اور اداروں کی اس میں دلچسپی لازمی ہے۔ ایک دہائی سے زائد عرصہ تک تعلیم و تدریس کا کام کرنے والا ادارہ سفینۃ الہدایہ (ٹرسٹ) نئی دلی نے خریجی میں الغدیر بلڈنگ میں کئی بار مختلف سیمنار کے ذریعہ ہمارے مدارس میں جدید علوم کو نصاب میں شامل کرنے پر تبادلہ خیال کیا اور ریزولیوشنز پاس کیے۔ آج وزارت تعلیم کا پلان مدرسوں کو جدید کرنے کے لئے شروع ہورہاہے۔ لیکن انہیں علم نہیں کہ یہ ادارہ اس کام کو دس سالوں سے کر رہاہے اور راقم الحروف نے اس سلسلے میں ایک اسکیم دلی حکومت کو مہینوں قبل پیش کی تھی۔ لیکن جیساکہ میرا خیال ہے ہندوستان کی مرکزی اور ریاستی حکومتیں صرف جہالت کو بڑھاوا دیتی ہیں۔ آج تک کسی اچھے پروگرام کو منظوری نہ ملی، وہاں صرف عوام کے ووٹ حاصل کرنے کے طریقوں پر کروڑوں صرف ہورہے ہیں لیکن صرف حاکموں کی تنقید مناسب نہیں۔ سچ یہ ہے کہ وہی انتظامیہ عوام کو میسر ہوتاہے جس کے وہ مستحق ہیں، کوئی ایسا پروگرام جو اخلاق، علم اور ثقافت کو فروغ دے ہمارے انتظامیہ کی فکر کے ماوراء ہے۔

اسی سفینۃ الہدایہ کے لئے میں نے بحیثیت پروجیکٹ ڈائریکٹر ایک تجویز کو بامعنی شکل دی ہے "امامیہ اسلامک یونیورسٹی" (I.I.U.)۔ یہ مسلمان علماء دین اور دانشوران قوم کا منصوبہ ہے جس کے تحت دینی علم کے ساتھ ساتھ جدید علوم جیسے سائنس، ٹکنالوجی اور میڈیسن وغیرہ کی اعلیٰ سطح کی تدریس کا منصوبہ ہے۔ ایک لاکھ پچیس ہزار مربع گز زمین پر کروڑوں روپے کی عمارتوں کی تعمیر کا کام چل رہاہے۔ یو.جی.سی (U.G.C.) کے قوانین اور وزارت تعلیم کے ضوابط سد راہ ہیں لیکن انشاء اللہ ہم اس ادارے کو تمام دنیا کے لئے ایک مثالی جامعہ بناکر پیش کریں گے جس میں کسی بھی فرقے کا مسلمان مختلف حیثیتوں سے اپنا تعاون پیش کر سکتا ہے تمام دنیا کے بڑے بڑے مفکر، ماہرین تعلیم و تدریس اور سائنسداں حضرات ہمارے یہاں کام کرنے کو اپنی خدمات پیش کر چکے ہیں۔ جب بھی حکومتی قوانین اس یونیورسٹی کے انعقاد کی رکاوٹیں دور کر سکیں گے ہم I.I.U. کے خواب کو ایک تابناک حقیقت میں انشاء اللہ بدل دینگے جس میں دنیا کے بہترین دماغ علم دین اور دنیاوی سائنسوں کی تدریس ایک ہی وقت میں اور دونوں میں توازن برپا کر کے کریں گے۔

اوپر دیئے ہوئے خاکے کے بارے میں مسلمان سائنسداں، میڈیکل اور سرجری اور ٹکنالوجی کے ماہر حضرات ہم سے رابطہ قائم کریں۔ ان کی علم دوستی کا فیض ہم علم کی جستجو میں لگے مسلمان طلباء تک پہنچاناچاہتے ہیں۔ وما توفیقی الا باللہ۔ ایک حدیث شریف پر خاتمہ کرتا ہوں جس سے واضح ہو جائے گا کہ رسول مقبول دین و دنیا میں صحت مند توازن کے خواہاں تھے اور یہی اسلام کا مقصد اعلیٰ ہے یعنی آپ نے فرمایا ہے: "وہ مجھ سے تعلق نہیں رکھتا جس نے دنیا کو آخرت کے لئے چھوڑدیا یا آخرت کو دنیا کی لالچ میں ترک کردیا۔"

اسلام کا تعلیمی نظریہ

عبداللہ فاروق خاں
کھیتاسرائے، جونپور

اسلام کے اندر بعض چیزیں فریضے کے تحت داخل ہیں اور فریضے کا اطلاق ایسی چیزوں پر ہوتا ہے جس سے کنارہ کش ہونا ممکن نہیں ہوتا۔ یعنی فریضے کے تحت عبادتیں و احکام کو ہر صحیح و سالم انسان پر پورا کرنا لازم ہے۔ انہی فریضہ جات کے تحت اسلام نے علم کو رکھا ہے۔ ارشاد رسولؐ ہے:

طلب العلم فریضة علیٰ کل مسلم و مسلمة (ابن ماجه. بخاری) طلب علم ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے

اسلام نے اپنے پیروؤں کو سب سے پہلے جس چیز کی طرف متوجہ کیا ہے وہ حصول علم ہے۔ بغیر علم کے اگر کوئی شخص یہ چاہے کہ وہ مسلمان ہو جائے تو اس کے لیے ناممکن ہے۔ یہی وجہ تھی کہ تخلیق آدمؑ کے بعد اللہ نے سب سے پہلے انھیں علم عطا کیا علم آدم الاسماء کلھا (بقرہ) یعنی اللہ نے آدم کو تمام چیزوں کے نام سکھائے اور جب اپنے آخری رسول حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو نبوت سے سرفراز کیا تو سب سے پہلے جس چیز کا حکم دیا وہ علم ہی کے تحت تھا۔ ارشاد ہوا اقراء باسم ربك الذی خلق (علق) "پڑھ اپنے رب کا نام لے کر جس نے تم کو پیدا کیا۔

اسلام کے مطلوبہ علم کے دائرے پر جب ہم نظر ڈالتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ اس نے ہر اس علم کو طلب کرنے پر زور دیا ہے جس سے کہ بنی نوع انسانی کو فائدہ حاصل ہو یہی وجہ تھی کہ آنحضرتؐ حصول علم کے سلسلے میں برابر دعائیں کیا کرتے تھے:

"اللّٰھم انیّ اسئلك علماً نافعاً وعملاً متقبلاً و رزقاً طیباً (احمد) "اے اللہ میں تجھ سے نفع پہنچانے والے علم، مقبول عمل اور اس رزق کا طالب ہوں جو پاک ہو۔" نیز اس کے ساتھ ہی آپؐ یہ بھی کہا کرتے تھے تعوذ بالله من علم لا ینفع (ابن ماجه) "تم پناہ چاہو اس علم سے جو نفع بخش نہ ہو۔"

یعنی ہر وہ علم جو انسانوں کے لیے نفع بخش ہو حاصل کرنا ہمارے لیے ضروری ہے خواہ وہ کسی بھی نام سے موسوم ہو خواہ وہ علوم دینیہ کے تحت آنے والے علوم فقہ، حدیث، قرأت وغیرہ ہوں خواہ ہو علوم عصریہ کے تحت آنے والے علوم جغرافیہ، ریاضی، فن حرب، فن طباعت و خطابت وغیرہ۔ مگر افسوس ہوتا ہے اس وقت جب علمائے قوم ان دونوں علوم میں تفریق کرتے ہیں اور ایک دوسرے کو ایک دوسرے کا دشمن قرار دے دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج علوم عصریہ کا ماہر علوم دینیہ سے یکسر بیگانہ رہتا ہے اور فضلائے مدارس دنیا کے نشیب و فراز سے بالکل ناآشنا ہوتے ہیں۔ جبکہ ہونا یہ چاہئے تھا کہ مدارس عربیہ میں دونوں علوم کو ایک ساتھ لے کر چلتے البتہ اتنا زور موخر الذکر علم پر نہ دیتے جتنا کہ علم دین کے حاصل کرنے پر دیتے اس سے یہ ہوتا کہ مدرسے سے فراغت کے بعد دوسرے علوم میں پختگی حاصل کرنے کے لیے دیگر اداروں میں طلباء جاتے اور مطلوبہ علم کے میدان میں ترقی کرتے مگر ہیہات!

اب ضروری ہوتا ہے کہ مختصراً دونوں طرح کے علوم کے بارے میں اسلام کے نظریئے پر روشنی ڈالی جائے اس کے بعد نظریہ قائم کیا جائے کہ کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ بیک وقت دونوں طرح کے علوم حاصل کیے جا سکتے ہیں جبکہ امت مسلمہ کا ایک طبقہ اب بھی عصری علوم کا مخالف اور ان کو فتنہ و فساد کا سبب مانتا ہے۔

علوم دینیہ

آخر کیا وجہ ہے کہ اسلام نے حصول علم پر سب سے زیادہ زور دیا۔ اس کی سب سے اہم وجہ یہ ہے کہ اس سے بنی نوع انسانی کا بھلا، اخروی و دنیاوی نجات اور جس مقصد کے لیے انسان کو پیدا کیا گیا اس پر پورا اترنا ہے۔ انسان کو بنانے کا

مقصد ہی یہ تھا کہ وہ زمین میں خدا کا نائب رہے اور وہ لوگ اس کے نائب رہیں جن کا خدا پر مکمل ایمان اور اس کے دیئے ہوئے علم پر دسترس ہو۔ اور یہ سہرا صرف انھیں کے سر ہوگا جنھیں ہم مسلمان کے نام سے جانتے ہیں۔ مگر افسوس ہوتا ہے اس وقت جب ہم دیکھتے ہیں کہ مسلمان بجائے حاکم دنیا ہونے کے محکوم ہے اور طرح طرح کی ذلتیں اس پر مسلط ہیں۔

اس کی وجہ جب تلاش کی جاتی ہے تو وہ صرف علم سے دوری ہی سمجھ میں آتی ہے اور دوسروں کی برتری کا سبب ان کے علمی تگ ودو میں ہی چھپا نظر آتا ہے۔ ہر مسلمان جانتا ہے کہ نظام دنیا میں خدا کا یہ مسلمہ اصول ہے کہ جو کوئی بھی اس کے بتائے ہوئے ضابطے پر چلے گا وہ کامیاب رہے گا خواہ وہ یہودی ہو، نصرانی ہو یا خود مسلمان ہو۔ ارشاد ہے:

اے نبی کہہ دیجئے کیا وہ لوگ جانتے ہیں اور وہ جو نہیں جانتے ہیں برابر ہو جائیں گے۔ (الزمر)

لہٰذا ہم نے علم کو چھوڑا اور محکوم ہوئے۔ غیر قوموں نے علم کو پکڑا اور حاکم بن بیٹھے۔ اس کے باوجود بھی ہمارے کان پر جوں نہیں رینگتی کہ اپنے رویے میں تبدیلی لائیں بلکہ ہم خود چاہتے ہیں کہ ہمارے اوپر ظالم مسلط رہیں جس کا ثبوت آج مسلمانوں کا آپس میں رویہ ہے۔

قرآن وحدیث نے جگہ جگہ حصول علم اور اس کے فوائد پر تبصرہ کیا ہے۔ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ان کا ذکر کر دیا جائے جس سے یہ بات واضح ہو جائے گی کہ کیوں علم پر اتنا زور دیا جاتا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

"حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے بندوں میں صرف علم رکھنے والے لوگ اس سے ڈرتے ہیں۔" (فاطر) سب سے پہلے ہم مقاصد علم میں یہی دیکھ سکتے ہیں کہ علم کیونکر ضروری ہوا۔ علم انسان کو اس بات پر آمادہ کرتا ہے کہ وہ سب سے زیادہ خدا سے ڈرے، اور بیشک خدا سے ڈرنا انسان کو دین ودنیا دونوں میں فلاح وکامرانی سے ہمکنار کرے گا۔

دوسرا اہم سبب یہ ہے کہ حصول علم کی وجہ سے اس کے درجات دوسرے لوگوں کے مقابلے زیادہ بلند ہوں گے۔ "اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے درجے بلند کرے گا جو تم میں سے ایمان لائے اور جنھیں علم عطا کیا گیا ہو۔" (مجادلہ) یعنی جنھوں نے بعد ایمان علم کے حاصل کرنے پر وقت صرف کیا ہو اور اسے اس کے مقصد میں کامیاب کیا گیا ہو۔ "اے نبیؐ آپ کہہ دیں کہ کیا اہل علم اور وہ لوگ جو علم نہیں رکھتے برابر ہو جائیں گے۔" (الزمر)

یہ تھیں وہ آیتیں جسے قرآن نے علم داں حضرات کے لیے بطور خوشخبری اور دیگر لوگوں کے لیے عبرت حاصل کرنے کے لیے بیان کیا ہے۔ جب ہم حدیث رسول اللہ ﷺ پر نظر ڈالتے ہیں تو اور زیادہ واضح ہو جاتا ہے کہ علم کے حاصل کرنے پر کیوں اتنا زور دیا گیا ہے نیز حصول علم کے فوائد کیا کیا ہیں۔ ایک بات اور پیش نظر رہے کہ یہ سارا حکم اس ہستی کے لئے بھی ہے جسے لوگ صرف گھر کی چہار دیواری میں رہنے والی صنف نازک کہتے ہیں اور انھیں ہر اس سہولت سے دور رکھتے ہیں جس کو اسلام نے انھیں دیا ہے۔ اس کی سب سے واضح دلیل وہ حدیث ہے جس میں اللہ کے رسول نے ہر مسلمان مرد وعورت پر علم حاصل کرنا فرض کیا ہے۔ اس کے علاوہ بھی بہت سی دلیلیں ہیں جسے اختصار کے ساتھ بیان کیا جائے گا۔ ارشاد رسول ہے۔ "جس نے علم حاصل ہونے والے طریقے کو اختیار کیا تو اللہ تعالیٰ اس کے جنت میں جانے کا راستہ ہموار کر دیگا۔" (مسلم)

معلم خیر کے لئے تمام چیزیں مغفرت کی دعا کرتی ہیں۔" (ترمذی)

"جو شخص علم کی تلاش میں نکلے وہ اس وقت تک خدا کی راہ میں ہے جب تک واپس نہ آجائے"۔ (ترمذی)

"عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسے چودھویں رات کے چاند کی فضیلت دوسرے ستاروں پر"۔ (ابوداؤد)

"کسی شخص کو اس حالت میں موت ہو جائے کہ وہ علم حاصل کر رہا تھا تو وہ اللہ سے اس حالت میں ملے گا کہ اس کے

اور انبیاء کے درمیان صرف نبوت کا فرق ہوگا"(طبرانی)

اب چند مثالیں عورتوں کی تعلیم کے سلسلے میں تحریر کرتے چلیں جس سے یہ پتہ چلے گا کہ عورتوں کو تعلیم دلانا درست ہے کہ نہیں۔ ارشاد رسول ہے۔"اور ایک شخص جس کی ایک باندی ہو اور اس نے اسے اچھی طرح ادب سکھایا اور اس کو بہتر طریقے سے تعلیم دی۔ پھر اس کو آزاد کر کے اس سے شادی کر لی اس کے لئے دہرا اجر ہے"(بخاری)

یہ واقعہ بھی اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ عورتوں کی تعلیم ضروری ہے کہ ایک مرتبہ عورتوں نے ایک عورت کو نمائندہ بنا کر آپؐ کے پاس بھیجا اور اس عورت نے آکر عرض کیا"اے اللہ کے رسولؐ آپ کی دعوت تو صرف مردوں تک ہی محدود ہے براہ کرم ہمارے لئے وقت مقرر فرمائیں تاکہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر دین کا وہ علم سیکھیں جو اللہ نے آپ کو سکھایا ہے۔"(بخاری)

لہٰذا آپ نے انہیں تعلیم دی۔ اس طرح کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں جن کا احاطہ یہاں مشکل ہے البتہ اس سلسلے میں ان کتابوں کا مطالعہ مفید ہوگا جو اس موضوع پر لکھی گئی ہوں یا "تہذیب الاخلاق" ماہ جنوری 1999ء کے شمارے میں راقم کے مضمون کو دیکھا جا سکتا ہے۔ یہ سب وہ آیات و احادیث تھیں جن میں علم دین کے حاصل کرنے پر بحث کی گئی ہے اور اولیت بھی اسی علم کو حاصل ہے کہ پہلے اسی کو حاصل کیا جائے۔

علوم عصریہ

دنیا کے وہ سارے علوم جو مذہبی تعلیم کے علاوہ ہیں ان کا نسب کسی نہ کسی طریقے سے سائنس سے جا کر ملتا ہے جسے ہم عصری علوم کے نام سے بھی جانتے ہیں۔ اس کے تحت آنے والے علوم کو حاصل کرنے کی اسلام نے اجازت ہی نہیں دی بلکہ عملاً حاصل کر کے دکھلا بھی دیا ہے تاکہ متاخرین اس سے عبرت حاصل کریں اور اسی مقام پر فائز رہیں جس مقام پر اسلام انھیں دیکھنا چاہتا ہے۔ مگر افسوس کہ بعد کے دور کے مسلمانوں نے نہ صرف اسے بھلا دیا بلکہ ہر ممکن کوشش کی کہ اسے فروغ نہ حاصل ہو۔ اپنے نصابات سے انھیں نکال پھینکا اور نتیجے میں دنیا نے انھیں پستی کی طرف ڈھکیل دیا اور وہ محکوم بن کر جی رہے ہیں۔

عجیب اتفاق ہے کہ قرن اولیٰ یا پھر اس عہد تک جب تک مسلمانوں کو عروج حاصل تھا دینی و عصری علوم میں کسی قسم کی تقسیم نہیں ملتی ہے۔ ان کی تاریخ چیخ چیخ کر یہ بتاتی ہے کے میڈیسن کے موجد ہم، ریاضی کو پروان چڑھانے والے ہم، فلسفہ کو منظر عام پر لانے والے ہم، بیت الحکمۃ جیسے ادارے قائم کرنے والے ہم ہیں۔ مگر اس کے باوجود بھی تاریخ اسلاف پر فخر کرنے والوں نے نہ صرف اسے بھلا دیا بلکہ ایک تحسینی علم معیوب ہو گیا۔ ضروری ہے کہ ایک بار پھر اپنی تاریخ کو دہرائیں اور وہی مقام حاصل کرنے کی کوشش کریں جس مقام کو ہمارے اسلاف نے نہ کہ حاصل کیا بلکہ دوسری قوموں کے لیے مشعل راہ بن گئے۔

اس سلسلے میں ہمیں قرآن و حدیث سے بھی اشارہ ملتا ہے کہ اس علم کو حاصل کیا جائے جس کی بنیاد عقل و حکمت سے مضبوط کی گئی ہے۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے:

"حکمت و دانائی حکمت و دانا شخص کی گمشدہ چیز ہے۔ پس جہاں وہ اس کو پائے اس کے حاصل کر لینے کا وہ زیادہ حقدار ہے۔"

قرآن کے اندر بھی بہت ساری آیتیں ملتی ہیں جس کا اشارہ سائنس کی بنیاد یا پھر سائنس کے اہم ستون غور و فکر پر ہے۔ ارشاد ہے:

"تم رحمٰن کی تخلیق میں کسی قسم کی بے ربطی نہ پاؤ گے، پھر پلٹ کر دیکھو کہیں تمہیں کوئی خلل نظر آتا ہے۔ بار بار نگاہ وڑاؤ تھک کر نامراد پلٹ آئے گی۔"(ملک)

"کیا وہ لوگ اونٹ کو نہیں دیکھتے کہ کس طرح پیدا کیا گیا (یعنی عجیب ہیئت پر) اور آسمان کو نہیں دیکھتے کہ کس طرح بلند کیا گیا اور پہاڑوں کو کس طرح کھڑا کیا گیا اور زمین کو کس طرح بچھایا گیا۔"

"بلا شبہ آسمانوں کے اور زمین کے بنانے میں اور دن

رات کے پلٹ پلٹ کر آنے میں دلائل ہیں ان لوگوں کے لیے جو عقل والے ہیں۔"

"اور ہم نے داؤدؑ کو فضیلت عطا کی اور ہم نے اس کے لیے لوہے کو نرم کر دیا۔"

"اور ہم نے سلیمانؑ کے لیے تانبے (کو پگھلا کر) کا چشمہ بہادیا۔"

معلوم ہوا کہ دواؤدؑ اور سلیمانؑ کو یہ قدرت حاصل تھی کہ وہ مذکورہ چیزوں کو اپنے استعمال میں لے آئیں اور وہ لے آئے۔

"اور وہ لوگ جو خدا کا ذکر کرتے ہیں کھڑے اور بیٹھے اور اپنے پہلوؤں پر لیٹے ہوئے اور آسمانوں اور زمین کی تخلیق پر غور و فکر کرتے ہیں۔:"

"یقین کرنے والوں کے لیے زمین میں بہت سی نشانیاں ہیں اور خود ان کے اپنے نفس میں بھی ......"

"اور نشانی ہے ان لوگوں کے لیے کہ ہم نے مردہ زمین کو زندہ کیا اور اس سے دانے اگائے جن کو وہ اپنی خوراک کے لیے استعمال کرتے ہیں۔"

"بیشک آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں اور رات دن کے تغیر میں اور کشتی میں، جو سمندر میں لوگوں کو نفع دینے والے تجارتی مال کو لے کر چلتی ہے اور اس بات میں کے خدا آسمان سے پانی نازل کرتا ہے، پھر اس سے زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کرتا ہے اور اس بات میں کہ اس نے زمین کے اوپر ہر قسم کے جاندار پھیلا دیئے ہیں اور ہواؤں کی تبدیلیوں میں اور بادل میں جو آسمان اور زمین کے درمیان ٹھہرا دیا جاتا ہے۔ نشانیاں ہیں عقلمندوں کے لیے۔"

"اور اس کی نشانیوں میں سے ہیں آسمانوں اور زمین کی تخلیق اور تمہارے رنگوں اور زبانوں کا اختلاف، بیشک اہل علم کے لیے اس میں نشانیاں ہیں۔"

"اور آسمانوں اور زمین میں کتنی ہی نشانیاں ہیں کہ یہ ان سے گزرتے ہیں اور منہ پھیر لیتے ہیں یعنی غور و فکر نہیں کرتے۔"

یہ قرآن کی وہ آیتیں تھیں جن کا اشارہ غور و فکر کی طرف ہے اور جب اس پر غور و فکر کیا جائے گا تو لا محالہ وہی چیز کہلائے گی جو آج سائنس کہلاتی ہے۔ اب اسی سلسلہ میں جب ہم دور رسالت کا مطالعہ اس باب میں کرتے ہیں تو بہت سے صحابہؓ و صحابیاتؓ ایسے نظر آتے ہیں جنھیں فن حرب، فن طب وجراحی، فن دباغت، فن کتابت، فن زراعت، فن تجارت، علم سیاست میں مہارت حاصل تھی مختصراً چند ناموں کا ذکر کر رہا ہوں:

طب و جراحی میں حضرت رفیدہ اسلمیہؓ، ام عطیہؓ، ام مطاعؓ، علم کتابت میں حضرت حفصہؓ، ام کلثومؓ، کریمہؓ۔ علم زراعت میں انصار کی عورتیں نیز مہاجرین میں حضرت اسماءؓ کا بھی مشغلہ تھا۔ تجارت میں حضرت خدیجہؓ، حولہؓ، ملکہؓ۔ فن جنگ میں حضرت ام عمارؓ (جنگ احد) حضرت صفیرؓ (جنگ خندق) حضرت ام سلمہؓ (جنگ حنین)۔ علم سیاست میں حضرت شفاءؓ بنت عبداللہ کو خاص امتیاز حاصل تھا۔ وغیرہ۔

اب اس سے آگے چلیں تو دیکھتے ہیں کہ آنحضرتؐ کی وفات کے تقریباً سو سال بعد مسلمانوں نے اس زمانے کے سارے علوم پر عبور حاصل کر لیا اور ساڑھے تین سو سال تک ان کو پروان چڑھایا۔

سائنس میں اسلامی دنیا کے نقطۂ عروج کا زمانہ یہی لگ بھگ 1000ء کا تھا اور یہ وہ زمانہ تھا جس میں ابن سینا، البیرونی، ابن الہیثم، خوارزمی، رازی، مسعودی، ابوالوفا، عمر خیام، جیسے نامور سائنسداں موجود تھے۔ اس کے بعد ابن رشد، نصیرالدین طوسی، ابن نفیس جیسے نامور لوگ گزرے۔ انھوں نے وہ کارنامے انجام دیئے جو یورپ کے لوگوں کے لیے مشعل راہ بن گئے۔

اب تک مسلمانوں کا جو رویہ علم کے تئیں رہا ہے اس سے یہی اندازہ لگتا تھا کہ یہ قوم موجودہ پست مقام سے بھی بہت نیچے گر سکتی ہے مگر خوش آئند بات ہے کہ اب اس کا احساس وارث الانبیاء علماء قوم کو ہونے لگا ہے اور جگہ جگہ سے اس کی موافقت میں آوازیں اٹھنے لگی ہیں۔

باقی صفحہ 50 پر

دین اسلام اور علم

سید ظہیر عباس جعفری
جامعہ امامیہ۔ تنظیم المکاتب، لکھنؤ

دین اسلام وہ منفرد مذہب ہے جس نے علم و حصول علم پر زبردست تاکید فرمائی ہے اور جابجا عالم متعلم و معلم کی فضیلت کا ذکر کر کے علم کی عظمت و مرتبے پر چار چاند لگادیئے ہیں۔ حدیث میں آیا کہ ملائکہ طالب علم کے لیے اپنے پر بچھادیتے ہیں اور معلم کی فضیلت بیان کرتے ہوئے ارشاد ہوا "جس نے مجھے ایک حرف سکھادیا اس نے مجھے اپنا غلام بنالیا۔" نہج البلاغہ۔ کلمات قصار)۔ فتح مکہ کے بعد پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتار شدہ قیدیوں میں سے کچھ کو فدیہ لے کر اور کچھ (جن کے پاس مال نہیں تھا) کو اس شرط پر رہا کردیا کہ وہ مسلمانوں کو لکھنا اور پڑھنا سکھائیں۔ یہ کوئی تعجب خیز بات نہیں ہے بلکہ دین اسلام نے اسلام کو قبول کرنے کی تمام تر تاکید و نہ قبول کرنے کی صورت میں جہنم و نار کے وعدے کے باوجود اس بات کی اجازت دی ہے کہ اگر کوئی شخص تمام ادیان عالم اور دین اسلام کے سلسلے میں مکمل تحقیق و جستجو کر کے اور پوری طرح معرفت حاصل کرنے کے بعد اگر مذہب اسلام اس کی سمجھ میں نہ آئے (انشاء اللہ ایسا نہ ہوگا) تو وہ پیش پروردگار متعال معذور ہوگا اور اس کا عذر اس کی تحقیق و جستجو کی وجہ سے قبول کرلیا جائے گا۔ اسلام کے نزدیک فکر و تدبر و علم کی اتنی زیادہ اہمیت ہے۔ یہاں تک ارشاد ہوا "تفكر ساعة افضل من عبادة سنة (ترجمہ) ایک ساعت کی فکر و تدبر سال بھر کی (بلا تفکر) عبادت سے افضل و بہتر ہے۔

اسلام نے علم کو صرف اپنے گلے ہی نہیں لگایا بلکہ اپنے پیروکاروں کو اس بات کی زبردست تاکید فرمائی کہ یہ خوش نصیب اگر مسلمان کہلاتے ہیں تو عالم کے سامنے عالم بھی کہلائیں کہ علم و حکمت کا کوئی بھی میدان ہو اس میں مسلمان سب سے آگے نظر آئے اور یہی وہ علم و حکمت ہے جسے قرآن مجید نے خیر کثیر قرار دیا ہے (جسے حکمت عطا ہوئی اسے خیر کثیر عطا ہو گئی)۔ اسلام نے صرف علم کی طرف مسلمانوں کی توجہ مبذول کروا کر چھوڑ نہیں دیا بلکہ ہر وہ علم جس کی سماج اور معاشرے میں ضرورت ہو دین اسلام نے اس معاشرے کے افراد پر اس علم کے حصول اور اس میں اس طرح سے مہارت حاصل کرنے کو کہ سماج کی ضرورت پوری ہو جائے واجب قرار دیا ہے۔ اس بات کو پیش نظر رکھ کر مسلمان اس ترقی یافتہ دور میں دیکھے کہ کس علم وو ہنر کی مسلم سماج کو ضرورت ہے اور کس علم کا حصول واجب ہے؟

اسلام میں جان، زندگی، عمر اور وقت کی بہت قیمت ہے مگر علم کی منزلت وقدر کے سامنے یہ چیزیں ہیچ ہیں۔ حدیث مبارکہ میں ارشاد پیغمبرؐ ہوا "گہوارے سے لے کر قبر تک علم حاصل کرتے رہو۔" اسلام نے وطن کو کافی اہمیت دی ہے لیکن جہاں علم کی بات آئی تو ارشاد پیغمبرؐ ہوا "علم حاصل کرو چاہے تمھیں چین جانا پڑے۔" مفہوم یہ ہے کہ وطن لاکھ عزیز ہو لیکن اگر حصول علم کی خاطر دور دراز کا سفر کرنا پڑے تو بھی علم حاصل کر لینے میں ہرگز پیچھے مت ہٹو۔ اسلام نے اہل نفاق و اہل کفر سے دور رہنے کا حکم دیا مگر جب علم و حکمت کی بات آئی تو ارشاد ہوا" خذ الحكمة ولومن اهل النفاق " حکمت اگر اہل نفاق سے ملے تو بھی حاصل کرو۔ اب سوال یہ کہ کیا صرف مرد ہی علم حاصل کریں مرد ہی ترقی کریں اور صنف نازک اس سے دور رہے؟ دین اسلام نے طلب علم اور حصول علم کے سلسلے میں مرد و عورت کے امتیاز کو یکسر ختم کردیا ہے۔ رسول اکرمؐ کی مشہور و معروف حدیث ہے "طلب علم ہر مسلمان مرد و عورت

پر فرض ہے"۔

جلوہ ٔ انجمن شام وسحر علم سے ہے
جو بھی ہے عشق و محبت کا اثر علم سے ہے
منزلیں علم سے ہیں راہ گزر علم سے ہے
دوستو! عظمت کردار بشر علم سے ہے
قول معصوم ہے فقرہ نہیں افسانوں کا
طلب العلم فریضہ ہے مسلمانوں کا
(پیام اعظمی)

دین اسلام کی ابتداء ہی معرفت الٰہی سے ہوتی ہے (اول الدین معرفة) اور معرفت الٰہی کے لیے ہمیں مادّی نگاہوں سے خدا نظر نہیں آئے گا بلکہ اس کی خلق کردہ اشیاء میں غور و فکر کر کے اور اس کے عجائب و غرائب کو دیکھ کر انسان کو اس بات کا ادراک حاصل ہوگا کہ جب مخلوق ایسی ہے تو اس کا خالق کیسا ہوگا بلکہ اگر انسان صرف اپنے جسم پر غور و فکر کر کے اپنے جسم و نفس کو پہچان لے تو وہ اپنے معبود حقیقی کی معرفت حاصل کر لے گا۔ جس نے اپنے کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔ (نہج البلاغہ) اب اپنے جسم کی معرفت اور کائنات اور کائنات کی دیگر اشیاء کی معرفت کے لیے یقیناً عصری علوم کی از حد ضرورت ہے۔

دین اسلام کے نزدیک علم و معرفت سے جدا زندگی، زندگی ہی نہیں ہے یا یوں کہا جائے کہ دین اسلام، زندگی کو علم سمجھتا ہے اور علم کو زندگی قرار دیتا ہے تو عین مناسب ہوگا۔" (ترجمہ) "جس نے کسی کو حیات دی گویا اس نے تمام لوگوں کو زندہ کر دیا" (قرآن) انسان تو اپنی زندگی پر قادر نہیں ہے تو دوسروں کو کس طرح زندگی و حیات عطا کر سکتا ہے تو اس کی تفسیر سے پتہ چلا کہ یہاں زندگی و حیات سے مراد ظاہری زندگی نہیں بلکہ زندگی سے مراد علم و معرفت ہے اور کسی ایک فرد کو کسی طرح کا علم عطا کر دینا پوری نوع انسانی کو علم عطا کر دینے کے برابر ہے اور ہاں! جو علم و معرفت کے زیور سے آراستہ ہو گیا وہ اگر نگاہوں سے پوشیدہ ہو کر تاریکی قبر میں بھی چلا جائے تو بھی وہ مرتا نہیں ہے وہ خود بھی زندہ ہوتا ہے اور اس کے آثار بھی دنیا کے سامنے زندہ ہوتے ہیں۔ لیکن اگر کوئی جہالت کی تاریکی میں پڑا ہوا ہے چاہے وہ ہمارے سامنے چل پھر رہا ہو، کھا پی رہا ہو لیکن اسلام کی نگاہ میں یہ چلتا پھرتا مردہ ہے۔ حدیث مبارکہ میں ارشاد ہے (ترجمہ) "عالم اگرچہ نظروں سے پوشیدہ ہو مگر وہ زندہ ہے اور جاہل اگرچہ چل پھر رہا ہو مگر وہ مردہ ہے"۔

اسلام نے اس قدر فضیلت علم کا ذکر کیا ہے کہ کوئی شئے علم سے افضل نہیں ہے جیسا کہ مذکورہ سطور میں ذکر کیا گیا مگر پیروکاران اسلام نے علم کو مال کا ذریعہ قرار دے دیا اور مال کو علم پر مقدم کر دیا جبکہ در حقیقت علم و مال کا کوئی تقابل ہے ہی نہیں اور جابجا علم کو مال سے افضل قرار دیا گیا ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہ سے یہی سوال کیا گیا تو آپ نے جواباً ارشاد فرمایا:

1۔ علم افضل ہے اس لیے کہ مال خرچ کرنے سے کم ہوتا ہے اور علم خرچ کرنے سے بڑھ جاتا ہے۔
2۔ علم افضل ہے اس لیے کہ مال کی حفاظت کرنا پڑتی ہے اور علم انسان کی حفاظت کرتا ہے۔

3۔ علم حاکم ہے مال محکوم ہے۔

4۔ مال کے جمع کرنے والے ہلاک ہوگئے اور علم جمع کرنے والے زمانے تک علم کے ذریعے دلوں میں باقی رہیں گے۔

ان تمام حقائق کے باوجود ہمارے سماج اور معاشرے کی سب سے بڑی غلط فہمی اور ناسمجھی یہ ہے کہ دین اسلام نے جس قدر بھی علم کی تاکید کی ہے اور علم کی فضیلت کا ذکر کیا ہے اس سے مراد صرف علم قرآن، علم حدیث، علم تفسیر و علم فقہ وغیرہ ہے۔ لیکن یہ بالکل احمقانہ فکر و سوچ ہے۔ یہ بات اور ہے کہ ان علوم کی ہر فرد کو ضرورت ہے مگر قرآن و احادیث مبارکہ میں جس علم کا ذکر ہے اس سے مراد صرف یہی علم نہیں بلکہ ہر وہ علم مراد ہے جو انسان کے لیے فائدہ مند ہو انسان کے لیے سعادتوں کا ذمہ دار ہو۔ اسی لیے دین مقدس اسلام نے صرف ان علوم سے انسان کو روکا ہے اور حرام قرار دیا ہے جو انسان کے لیے بلاوجہ کی زحمت ہوں اور جس کے نتائج غیر یقینی ہوں۔

دین مقدس اسلام مفید علوم کی قدر کرتا ہے اور ان کے سیکھنے اور سکھانے والوں کو مرتبہ عطا کرتا ہے تاکہ پیروکاران اسلام ہر طرح کے علمی میدان میں تمام اقوام عالم سے سبقت لے کر دنیا و آخرت کی سعادتوں سے خود بھی بہرہ ور ہوں اور دوسروں کو بھی بہرہ ور کریں۔

بقیہ : اسلام کا نظریۂ علم

اس مختصر جائزے کے بعد آخر میں اللہ تعالیٰ سے یہی دعا کرنا ہے کہ مسلمانوں کو ہر اس علم سے نوازے جو نفع بخش ہو اور ہر اس علم سے بچائے جو نقصاندہ ہو۔ جس سے خود اللہ کے رسول ﷺ نے پناہ مانگنے کی تلقین کی اللّٰھم انّی اعوذ بك من علم لا ینفع (ابن ماجه)۔ اساتذہ و منتظمین مدارس کو اس سلسلے میں یہ قدم اٹھانا چاہئے کہ وہ اپنے نصاب میں اس سلسلے کی کتابیں رکھیں۔ میں نہیں کہتا کہ مدارس ہی میں انھیں ڈاکٹر اور سائنسداں بنائیں، نہیں بلکہ مدارس کے قائم کرنے کا جو نصب العین ہے اسے ہی پورا کیا جائے لیکن طلباء کو علوم عصریہ سے آشنا کرادیا جائے تاکہ مستقبل میں وہ اگر چاہیں تو دوسرے اداروں سے اپنے کھوئے ہوئے علم کو حاصل کرسکیں اور علمی میدان میں وہ مقام پیدا کرسکیں جس سے ایک بار پھر مسلمان اپنی کھوئی ہوئی میراث پالیں۔

سائنس کلب

آپ کے اس محبوب ماہنامہ کو پڑھنے والے نہ صرف ہندوستان کے کونے کونے میں بلکہ دور دراز کے ممالک میں بھی پھیلے ہوئے ہیں۔ ماہنامہ سائنس نے اردو والوں کو ایک نایاب پلیٹ فارم مہیا کیا ہے۔ اس کو مزید فعال بنانے اور قارئین (خصوصاً اسکول و مدرسے کے طلباء و طالبات) کے درمیان بہتر پہچان اور تعلق قائم کرنے کی غرض سے ہم "سائنس کلب" کی داغ بیل ڈال رہے ہیں۔ آپ اپنے دو عدد فوٹو (بلیک اینڈ وہائٹ ہوں تو بہتر ہے) کے ساتھ اپنا مختصر تعارفی کوپن (صفحہ 56 پر دیا ہوا ہے) بھر کر ہمیں بھیج دیں۔ آپ کی تصویر اور تعارف ہم شائع کریں گے۔ ساتھ ہی آپ "سائنس کلب" کے ممبر بھی بن جائیں گے۔ آپ کا رکنیت نمبر آپ کو بذریعہ ڈاک بھیج دیا جائے گا۔ اس طرح قارئین آپس میں ایک دوسرے سے براہ راست رابطہ بھی قائم کرسکیں گے۔ انشاء اللہ مستقبل میں ہم ہر علاقے سے سائنس کلب کے ممبران کے بیچ الیکشن یا کسی اور مناسب طریقے سے عہدیداران کا انتخاب کرکے ان کے ذریعے سائنس کے فروغ کے لیے کچھ جامع پروگرام شروع کریں گے۔ عاشقان سائنس سے پرجوش و بھرپور تعاون کی درخواست ہے۔ آیئے قدم سے قدم ملاکر چلیں اور ایک نئی علمی اور اصلاحی تحریک کی شروعات کریں۔ ید الله علی الجماعة

سائنس اور مسلمان

نور جہاں غازی ۔ جدہ

بیسویں صدی کے اس آخری دہے میں مسلمانوں میں یہ احساس شدت سے پایا جاتا ہے کہ آج کی ترقی میں اور خاص طور سے سائنس کی ترقی میں وہ کہاں کھڑے ہیں۔ سائنس کی ترقی میں مسلمانوں کا کوئی حصہ کیوں نہیں ہے؟ سائنسی انقلاب کا مسلمان دنیا پر کوئی اثر کیوں نظر نہیں آتا؟ وغیرہ وغیرہ اور آخر وہ کیا عناصر تھے اور وہ کون سے واقعات اور لمحات تھے جنھوں نے مسلمانوں کو سائنس کی ترقی میں حصہ دار بننے سے محروم کر دیا؟

اموی دور سے بیسویں صدی کے وسط تک ایک طائرانہ نظر ڈالیں تو مسلمانوں کے سیاسی نظام یعنی مسلمانوں کی تاریخ اور معاشرے کے تجزیات سے کچھ اسباب تک پہنچا جاسکتا ہے۔ اس کا تجزیہ معاشرے کے مسائل کے علاوہ نفسیات سے بھی کیا جاسکتا ہے مثلاً معاشرے کی نفسیات بنانے میں ہمارے مدرسوں کا کیا رول رہا ہے شعوری طور پر یا لاشعوری طور پر۔ اور وہ کیا حقیقتیں تھیں، وہ کیا کردار تھا ان مدرسوں کا جو معاشرے پر اثر انداز ہورہا تھا۔ حالات اور واقعات کے علاوہ وہ کیا رویہ (Attitude) تھا جس نے مسلمانوں کو ان کے شاندار ماضی اور ان کے ورثے سے محروم کر دیا اور شاید اسی کا نتیجہ تھا کہ وہ سائنس کی ترقی میں بھی حصہ دار نہ بن سکے۔

مختصراً یہ کہ مختلف پہلوؤں سے مطالعہ اور مشاہدہ جن وجوہات کی طرف نشاندہی کرتا ہے ان میں سے چند یہ ہیں:

(1) مسلمانوں کے دینی اداروں میں عام طور پر شخصیت بنانے کے بجائے شخصیت کو ختم کر دیا جاتا تھا۔ تخلیقیت (Creativity) کو کوئی اہمیت نہیں دی جاتی تھی۔

(2) یہ ادارے تبدیلی (Change) ترمیم (Modification) نظر ثانی (Updating) تجدید (Modernization) جیسے الفاظ سے خوفزدہ تھے۔

(3) سیاسی نظام جو خلافت راشدہ کے بعد سے لے کر اس صدی کے وسط تک رہا ہے، اس نظام کا ورثہ خاص طور سے اس بر صغیر میں جمود فکر ہی تھا۔

(4) بادشاہت نے فکری طور پر جمود میں پڑی ہوئی قوم کو ڈپریشن کا شکار بنایا۔

(5) ہندوستان کی آزادی نے مسلمانوں کو فوراً تو اور بھی پیچھے ڈھکیل دیا تھا اور اس پر مجبور کر دیا تھا کہ وہ جانوروں کی طرح سارا وقت اپنی بقا اور جان کی حفاظت میں صرف کریں۔ ایسے حالات میں سائنس یعنی آرام دہ زندگی کی طرف وہ کیسے سوچ سکتے تھے۔

کسی بھی قوم میں ترقی اسی وقت تک شروع ہوتی ہے جب تک اس قوم کے افراد میں Creativity پیدا ہوتی رہتی ہے مگر اس سے پہلے اس قوم کو ایک طویل پروسس (Process) سے گزرنا ہوتا ہے جس کی بنیاد ایک خاص عقیدے یا نظریے پر ہوتی ہے اور پھر وقت اور ضرورت کے لحاظ سے اس نظریے کی بنیاد پر ایک خاص فکر کو اس قوم میں رچایا بسایا جاتا ہے اور یہ مقاصد جو عناصر انجام دیتے ہیں وہ ہیں سیاسی اور ذہنی ادارے۔ یہ دونوں نظام چاہے یکجا ہوں، چاہے الگ الگ۔ مقاصد اور رہنمائی ان ہی سے ملتی ہے یہ ادارے الگ ہو کر بھی اگر ایک دوسرے پر محتسب بنے رہیں تو ترقی میں رکاوٹ کا باعث نہیں بنتے۔

اسلام کا ابتدائی زمانہ تو خود ایک معجزہ ہے کہ اتنے کم عرصے میں ایک نئے ذہن کی قوم تیار ہو جاتی ہے۔ قانون مرتب ہو جاتا ہے ایک خاص تہذیب کی بنیاد پڑ جاتی ہے۔ علم سفر کرتا ہے اور ایک نئے علم کا سفر شروع ہو جاتا ہے جو عقائد میں تو مختلف تھا مگر دنیا کے لیے اس وقت تک کے علم میں رد و قبول کرتا ہو۔ اور جب بغداد اور اسپین پہنچتا ہے تو یہ ذہانت کی بلندیوں کو چھو رہا ہوتا

ہے۔اس دور کی کامیابیوں پر نظر ڈالیں تو لگتا ہے کہ اس سے زیادہ اور کیا ہوتا۔ فتوحات کے نتیجہ میں ہونے والی ساری ترقی ہوئی اور بہت تیزی سے ہوئی۔ مگر جب امارت سے انانیت کی طرف رخ ہوا تو مقاصد اور ان کی سمت بدل گئی۔ ترقی اور مفادات کا مرکز قوم نہیں افراد بنتے گئے افراد میں بیشک بہت بڑے بڑے نام اور کام ملیں گے ابن سینا، فارابی، امام رازی، ابن خلدون وغیرہ کا دور بغداد کی تباہی اور اسپین کے خاتمے کے ساتھ سب ختم ہو گیا. خلیفہ حکم کے کتب خانے میں کم از کم 4 لاکھ کتابیں تھیں۔ یہ سب کچھ تو تھا مگر ان حکومتوں کے پاس شاید قوم یا عوام کے لیے کوئی واضح پروگرام نہیں تھا یا آئندہ کے لیے کوئی مقاصد طے نہیں تھے جو فکری عمل میں آتے۔

بہر حال جو کچھ ہوا تھا اور جو کچھ بچا تھا وہ کم از کم برصغیر کے مسلمانوں کا ورثہ نہ بن سکا۔ اس میں چاہے مسلمان دنیا کی کوتاہی رہی ہو یا شاہی نظام کی جس نے تعلیم کا ایک نیا نظام دے کر مسلمانوں کو ان کے علمی ورثے سے دور کر دیا۔ اس تسلسل کے ٹوٹنے سے آج کی زندگی پر اس طویل اور شاندار دور کا کوئی بھی اثر نظر نہیں آتا۔ سوائے اس کے کہ تاریخ سے دلچسپی رکھنے والے اس دور کو کبھی عقیدت سے اور کبھی حسرت سے پڑھ لیتے ہیں۔ تسلسل میں رہنے والا علم وفکر یا اس تسلسل کے نتیجے میں پیدا ہونے والے ذہن جب فکر و عمل کی سمت یا منزل میں کوئی تبدیلی لائے ہیں تو وہ قابل قبول ہوتی ہے کیونکہ ایسی تبدیلیاں ماضی اور حال میں توازن قائم رکھتی ہیں یا یوں کہہ لیں کہ اپنی جڑوں اور جدیدیت میں توازن قائم رکھتی ہیں۔

اسپین کے بعد خلافت سلطنت عثمانیہ میں بھی رہی اور پھر مسلمانوں کی حکومت برصغیر میں صدیوں تک رہی۔ دیکھنا یہ ہے کہ برصغیر میں سیاسی اور دینی اداروں نے مسلمانوں کو فکری طور پر کہاں پہنچایا۔ اگر سیاسی نظام میں فکر و مقاصد دینے کی گنجائش اور اسلامی روح ختم ہو چکی تھی تو کم از کم دینی ادارے تو قوم کو سہارا دیتے۔ مصیبت کے وقت ان اداروں سے صرف ایک ہی آواز سننے میں آتی ہے وہ ہے جہاد کرو اور جنت حاصل کرو۔ موقع اچھا ہے۔ یہ ادارے حکمت عملی اور تعاون کی تربیت نہیں دیتے۔ ان لوگوں کی سوچ کا رخ ایک ہی رہا ہے جان دینا اور مصیبتوں میں زندگی گزارنا وغیرہ۔ کچھ عظیم مقاصد ایسے بھی ہیں جن کے لیے جان کا باقی رہنا ضروری ہے۔

یہ ادارے مثبت پہلوؤں پر توجہ نہیں دلاتے ایک طرف تو ان اداروں میں شخصیتوں کو ختم کیا جاتا ہے جس کی ابتداء بچے کو قرآن شریف شروع کرواتے وقت ہی ہو جاتی ہے یعنی بری طرح مار پیٹ کا عمل۔ دوسری طرف ماحول کچھ اس طرح کا بنایا جاتا ہے کہ نہ سر پر بال ہوں نہ کنگھا ہو۔ ایسے میں آئینے کی ضرورت تو خود ہی ختم ہو جاتی ہے۔ اس انداز کو پسند کیا جاتا ہے اور آرام دہ زندگی کا دور دور تک کوئی تصور نہیں ہوتا۔ ایسے ماحول میں رفتہ رفتہ تکالیف کا عادی بنا کر آرام دہ زندگی سے دور کر دیا جاتا ہے۔ شاید معاشرے کی اس نفسیات نے ہم کو سائنس کی طرف جانے نہیں دیا کیونکہ سائنس اور ٹکنالوجی تو آرام کے سامان مہیا کرتی ہے۔ مختصر سی زندگی میں زیادہ سے زیادہ کام کرنے کے مواقع پیدا کرتی ہے۔

انبیاء کے سامنے بڑا مشن ہوتا تھا، ان کے لیے تکالیف کا اٹھانا بھی ضروری تھا مگر ان تکالیف کا ذکر مصیبت کے وقت پر صبر و ہمت دلانے کے لیے ہونے کے بجائے ان تکالیف کو اس انداز سے بیان کیا جاتا اور اتنا ذکر کیا جاتا کہ آرام دہ زندگی کو برا سمجھ لیا گیا اور یہ سمجھا گیا کہ جس نے دنیا میں آرام دہ زندگی گزار لی اس کے لیے بعد کی دنیا میں انعامات کی کمی آجائے گی۔ لہٰذا ساری توجہ جنت حاصل کرنے پر لگا دو۔ اس ذہن کی ایک جماعت آج بھی موجود ہے۔ جنت کی خواہش میں دنیا کو اپنے لیے جہنم بنا لیا۔ میرے خیال میں جنت حاصل کرنے کے لیے پہلے دنیا کو جنت بنانا چاہئے۔ انبیاء کو تو قوم کی تربیت میں ہر قسم کی مثالیں پیش کرنی ہوتی تھیں مثال کے طور پر جب حضرت فاطمہ بنت رسولؐ نے اپنے لیے خادم کی بات کی تو حضورؐ نے خادمہ کے بجائے تسبیح

بتلائی جو تسبیح فاطمہ کہلاتی ہے۔ اس کا تعلق بھی اس عظیم مشن سے تھا اور تربیت بھی کرنی تھی اور حالات کے لحاظ سے فیصلہ کرنے بھی سکھانے تھے۔ ایسی مثالوں پر یعنی ایسی سنتوں پر عمل کرنے سے بیشک ثواب ضرور ہے مگر اسے قانون نہیں بنایا جاسکتا۔ عقیدتیں جب حد کو پار کر جاتی ہیں تو حقائق ذہن سے اوجھل ہو جاتے ہیں۔

ایک اور عنصر جس نے ہمارے معاشرے کو نقصان پہنچایا وہ تھا کسی بھی تبدیلی کو قبول نہ کرنے والا ذہن۔ ہمارے ادارے تبدیلی کے لفظ سے خوفزدہ رہے۔ علم و فکر کو وقت کے لحاظ سے ڈھالنا برا سمجھا گیا جس سے ذہنوں میں جمود آتا گیا۔ حرکت اور تبدیلی تو زندگی کی علامت ہے۔ جمود فرد اور قوم کو ختم کر دیتا ہے۔ وقت کے ساتھ تبدیلی اور تشریح کو اسلام کہیں بھی منع نہیں کرتا بلکہ وقت اور ضرورت کے مطابق تشریح قرآن کا قیامت تک کے لیے ہونا ثابت کرتا ہے۔

بہر حال اس جمود نے ہماری صلاحیتوں کو اتنا زنگ خوردہ بنادیا کہ جو لاؤڈ اسپیکر آیا تو یہ سمجھا گیا کہ اس میں شیطان بول رہا ہے۔ آخر کار یہ مسئلہ طے ہوا۔ پھر کیمرہ ایجاد ہوا تو تصویر کی ممانعت کی وجہ سے حرام ہو گیا۔ آج اسی تکنیک پر ہزاروں مشینیں بن گئی ہیں جن کا استعمال کسی بھی آپریشن سے پہلے ضروری ہے۔ نقصانات کے ڈر سے فائدوں کو نظرانداز کر دینا ایسا ہی ہے جیسا کہ انگور کی بیل کو شراب کے ڈر سے کاٹ دیا جائے اور انگور کے فائدوں کو نظرانداز کر دیا جائے۔

تبدیلی، ایجاد اور آرام کو برا نہیں سمجھا گیا تو مغرب میں۔ ایک معمولی آدمی نے سلائی کی مشین ایجاد کر دی۔ ایجاد کرنے کے لیے روپیہ اور صلاحیت چاہیے۔ ویسے تو یہ نایاب نہیں ہے مگر استعمال نہ کرنے سے نایاب ہو سکتا ہے۔

ایک نسل جب علم میں اضافہ کرتی ہے یا وقت اور ضرورت کے لحاظ سے تبدیلیاں کرتی ہے تب ہی آنے والی نسل کے لیے وہ علمی ورثہ قابل قبول ہوتا ہے۔ علم زمانے کے لحاظ سے ہم آہنگ (Update) ہونا چاہیے۔ فکر میں جمود سے علم میں بھی جمود آتا ہے۔ علم تو بہاؤ چاہتا ہے۔ بہتا ہوا علم ہی وقت کی ضرورتیں پوری کر سکتا ہے۔ جہاں بھی پہنچتا ہے وہاں کی ضروریات کے لحاظ سے تبدیلی و ترمیم چاہتا ہے۔ علم میں جمود علم کو ناقابل استعمال بنا دیتا ہے۔ علم کو گدلا بنا دیتا ہے۔ جس طرح ایک جگہ جمع ہوا پانی گدلا ہو جاتا ہے اور ناقابل استعمال ہو جاتا ہے۔

معاشرے کا یہ جمود اسلام کے مزاج اس کی افادیت اور اس کی روح سے میل نہیں کھاتا۔ اس تضاد نے مسلمانوں کو سائنس یا عملی میدان میں آنے نہیں دیا۔ عقیدہ یا نظریہ کتنا ہی بلند کیوں نہ ہو اس کا رخ ہی فکر اور مقاصد کو اونچا یا پست بناتے ہیں۔

اموی دور سے آج تک ایک نظر ڈالیں تو فکر و مقاصد کو جو رہنمائی ملتی رہی تھی وہ غیر محسوس طریقے پر بدلتی رہی ہے۔ امارت سے مکمل بادشاہت کا سفر صدیوں میں طے ہوا۔ علم کے جمود نے مقاصد کو ذہنوں سے اوجھل کر دیا۔ واضح ہدایات اور واضح مقاصد ام الکتاب کے الفاظ کی تہوں میں غوطہ لگا کر ہی حاصل ہو سکتے ہیں۔ قرآن کے الفاظ کے معنی اور مفہوم کو محدود کر دینا علم کو محدود کر دینا ہے۔ ہمارے دینی اداروں نے ضرورت سے زیادہ احتیاط میں قوم کو فکری جمود کی طرف ڈھکیل دیا۔ خاص طور سے برصغیر کے مسلمانوں کو اس ذہن سے بہت نقصان پہنچا ہے۔ بادشاہت میں ملک میں ترقی تو بیشک ہوئی۔ عوام کی بنیادی ضروریات پوری کر دی جاتی تھیں مگر اس کے منفی اثرات یہ ہوئے کہ عوام کی حکومت میں دخل اندازی یا شمولیت بالکل نہیں رہی۔ نہ کچھ سوچنا ہوتا تھا نہ کچھ کرنا ہوتا تھا لہٰذا فکری تسلسل ختم ہو گیا اور جمود آ گیا۔ آخر کار اٹھارویں صدی میں شاہ ولی اللہ نے اس جمود کو توڑا۔ شاہ ولی اللہ چونکہ خود اس مقام پر تھے جس کی وجہ سے وہ ان ذہنوں سے ٹکر لے گئے اور ام الکتاب کا ترجمہ کر کے اس قوم کے جمود کو توڑا۔

مختصر یہ کہ جمود ٹوٹنے کے بعد پہلا قدم آزادی کی طرف 1857ء کا تھا۔ دوسرا قدم 100 سال بعد آزادی حاصل کرنے

کا تھا۔ آزادی کے فوراً بعد تو مسلمانوں کی حالت ایسی تھی کہ بس جانوروں کی طرح سارا وقت اپنی بقاء اور حفاظت میں صرف کرنا پڑا۔ مگر ان پچاس سالوں میں تیسرا قدم احساس خودی کا پیدا ہونا ہے نیز یہ احساس پیدا ہوا کہ ہم آج علم کی سیڑھی پر کہاں کھڑے ہیں۔ اب احساس خودی واپس آنے کی وجہ سے ہمارے متوسط طبقے میں بھی نمایاں اضافہ ہوا ہے جو کہ مسلمانوں کے سیاسی نظام دور حکومت میں نہ ہونے کے برابر تھا اور نہ ہی متحرک تھا اور نہ ہی اس کا کوئی اثر تھا۔ جبکہ ہر زمانے میں یہی متوسط طبقہ سب سے زیادہ ہوتا ہے اور متحرک ہوتا ہے۔ ان پچاس سالوں میں خاص طور سے ہندوستان کا مسلمان الحمد اللہ اس قابل تو ہوا ہے کہ دنیا کے ساتھ چل سکے۔ اب اکیسویں صدی میں اگر دنیا کا مسلمان اس قابل

ہو جائے کہ آج کے علوم میں کچھ اضافے کر سکے اور اپنی اور وقت کی ضروریات اور اس چیلنج کو قبول کر کے اس کے مطابق عمل کر سکے تو وہ آگے بھی نکل سکتا ہے۔ ساتھ ہی اس ترقی سے پیدا ہونے والے مسائل کا حل بھی دنیا کو مہیا کر سکتا ہے۔

کاوش انعامات 1999

ادارۂ سائنس کے کرم فرما ڈاکٹر عبد المعز شمس نے گزشتہ سال کی طرح امسال بھی ''**کاوش**'' کے تحت شائع ہونے والی بہترین تحریروں کے لیے نقد انعامات کا تعاون دیا ہے۔ یہ انعامات ''دینی مدارس'' اور ''اسکول سسٹم'' کے طلباء کے لیے الگ الگ دیئے جارہے ہیں۔

ڈاکٹر شمس ماہر امراض چشم ہیں، النور اسپتال سبل پور پٹنہ کے ڈائرکٹر ہیں اور فی الحال مکہ مکرمہ میں مقیم ہیں۔ مکہ مکرمہ اور گردونواح کے واسطے ادارۂ سائنس کے نگراں و ذمہ دار ہیں۔

دینی مدارس زمرہ:

پہلا انعام (تین سو روپے نقد) : اسلام اور سائنس (مارچ 1999) محمد سلیم اشرف، الجامعۃ الاسلامیہ، تلکھنا، پوسٹ شیوپتی نگر، ضلع سدھارتھ نگر۔ یوپی

دوسرا انعام (دو سو روپے نقد) : ستاروں سے آگے...... (جولائی 1999) سید ظہیر عباس جعفری، جامعہ امامیہ تنظیم المکاتب، 28 جگت نرائن روڈ، گولہ گنج۔ لکھنؤ۔ 336018

اسکول سسٹم زمرہ:

پہلا انعام (تین سو روپے نقد) : سائنس کیا ہے؟ کیوں ہے؟ (اگست 1999) محمد مستحسن فاروقی (IX-A) محلّہ جونا بازار کوتوالی دروازہ۔ بیڑ۔ 431122

دوسرا انعام (دو سو روپے نقد) : اسلام اور تحفظ ماحول (جون 1999) اسعد فیصل فاروقی (XI) اے ایم یو بوائز سینئر سیکنڈری اسکول۔ علی گڑھ۔ 202002

تیسرا انعام (سو روپے نقد) : دوربین (فروری 1999) تحسین افروز (XI) قلندریہ اردو ہائی اسکول و جونیئر کالج، چھل پورہ۔ منگرول پیر۔ 444403

نوٹ : انعام پانے والے اپنا رہائشی پتہ فوراً روانہ کریں، تاکہ انعامی رقم کا منی آرڈر کیا جاسکے۔

خریداری / تحفہ فارم

اُردو **سائنس** ماہنامہ

میں " اُردو سائنس ماہنامہ " کا خریدار بننا چاہتا ہوں / اپنے عزیز کو پورے سال بطور تحفہ بھیجنا چاہتا ہوں / خریداری کی تجدید کرانا چاہتا ہوں (خریداری نمبر ....) رسالے کا زر سالانہ بذریعہ منی آرڈر / چیک / ڈرافٹ روانہ کر رہا ہوں۔ رسالے کو درج ذیل پتے پر بذریعہ سادہ ڈاک / رجسٹری ارسال کریں:

نام ....

پتہ ....

.... پن کوڈ ....

نوٹ:

1۔ رسالہ رجسٹری ڈاک سے منگوانے کے لیے زر سالانہ =/300 روپے اور سادہ ڈاک سے =/130 روپے (انفرادی) نیز =/140 روپے (اداراتی و برائے لائبریری) ہے۔

2۔ آپ کے زر سالانہ روانہ کرنے اور ادارے سے رسالے جاری ہونے میں تقریباً چار ہفتے لگتے ہیں۔ اس مدت کے گزر جانے کے بعد ہی یاد دہانی کریں۔

3۔ چیک یا ڈرافٹ پر صرف "URDU SCIENCE MONTHLY" ہی لکھیں۔ دہلی سے باہر کے چیکوں پر =/15 روپے بطور بنک کمیشن بھیجیں۔

پتہ : 665/18A ذاکر نگر۔ نئی دہلی 110025

شرائط ایجنسی (یکم جنوری 1997ء سے نافذ)

1۔ کم سے کم دس کاپیوں پر ایجنسی دی جائے گی۔

2۔ رسالے بذریعہ وی۔ پی روانہ کیے جائیں گے۔ کمیشن کی رقم کم کرنے کے بعد ہی وی۔ پی کی رقم مقرر کی جائے گی۔

شرح کمیشن درج ذیل ہے:

10 - 50 کاپیوں پر 25 فیصد

50 - 101 کاپیوں پر 30 فیصد

101 سے زائد کاپیوں پر 35 فیصد

3۔ ڈاک خرچ ماہنامہ برداشت کرے گا۔

4۔ بچی ہوئی کاپیاں واپس نہیں کی جائیں گی۔ لہٰذا اپنی فروخت کا اندازہ لگانے کے بعد ہی آرڈر روانہ کریں۔

6۔ وی۔ پی واپس ہونے کے بعد اگر دوبارہ ارسال کی جائے گی تو خرچہ ایجنٹ کے ذمہ ہوگا۔

شرح اشتہارات

مکمل صفحہ ---------------- =/1800 روپے

نصف صفحہ ---------------- =/1200 روپے

چوتھائی صفحہ ------------- =/900 روپے

دوسرا و تیسرا کور --------- =/2100 روپے

پشت کور ----------------- =/2700 روپے

چھ اندراجات کا آرڈر دینے پر ایک اشتہار مفت حاصل کیجیے۔

کمیشن پر اشتہارات کا کام کرنے والے حضرات رابطہ قائم کریں۔

پتہ برائے مقابلہ جاتی خط و کتابت:

ایڈیٹر سائنس

پوسٹ باکس نمبر: 9764

جامعہ نگر نئی دہلی۔ **110025**

ترسیل زر و خط و کتابت کا پتہ : **665/12** ذاکر نگر، نئی دہلی - 110025

سرکولیشن آفس : **266/6** ذاکر نگر، نئی دہلی - 110025

کاوش کوپن

نام ---------------عمر----------

کلاس ---------------سیکشن---------

اسکول کا نام و پتہ ----------- -----------

----------- -----------

-------------------پن کوڈ--------

گھر کا پتہ ----------- -----------

----------- -----------

----------- -----------

پن کوڈ ------------تاریخ---------

سوال جواب

نام ---------------عمر----------

تعلیم -------------------------

مشغلہ -------------------------

مکمل پتہ -------------------------

-------------------پن کوڈ----------

تاریخ -------------------------

سائنس کلب کوپن

نام -------------------------

مشغلہ -------------------------

کلاس / تعلیمی لیاقت -------------------------

اسکول / ادارے کا نام و پتہ -------------------------

پن کوڈ ------------فون نمبر----------

گھر کا پتہ -------------------------

-------------------پن کوڈ--------

تاریخ پیدائش -------------------------

دلچسپی کے سائنسی مضامین / موضوعات -------------

مستقبل کا خواب -------------------------

دستخط -------------------------

تاریخ -------------------------

(اگر کوپن میں جگہ کم ہو تو الگ کاغذ پر مطلوبہ معلومات بھیج سکتے ہیں۔ کوپن صاف اور خوشخط بھریں ۔ سائنس کلب کی خط وکتابت 665/18ذاکر نگر نئی دہلی ۔110025 کے پتے پر کریں۔یہ خط پوسٹ باکس کے پتے پر نہ بھیجیں)

اونر، پرنٹر، پبلشر شاہین نے کلاسیکل پرنٹرس **243** چاوڑی بازار دہلی سے چھپوا کر **665/12**ذاکر نگر نئی دہلی ۔110025 سے شائع کیا-------------------مدیر اعزازی : ڈاکٹر محمد اسلم پرویز

فہرست مطبوعات

سینٹرل کونسل فار ریسرچ ان یونانی میڈیسن

61-65 انسٹی ٹیوشنل ایریا
جنک پوری ، نئی دہلی ـ110058

نمبر شمار	کتاب کا نام	قیمت
	اے ہینڈ بک آف کامن ریمیڈیز ان یونانی سسٹم آف میڈیسن	
1ـ	انگلش	19.00
2ـ	اردو	13.00
3ـ	ہندی	36.00
4ـ	پنجابی	16.00
5ـ	تامل	8.00
6ـ	تیلگو	9.00
7ـ	کنڑ	34.00
8ـ	اڑیہ	34.00
9ـ	گجراتی	44.00
10ـ	عربی	44.00
11ـ	بنگالی	19.00
12ـ	کتاب الجامع لمفردات الادویہ والاغذیہ ـ I (اردو)	71.00
13ـ	کتاب الجامع لمفردات الادویہ والاغذیہ ـ II (اردو)	86.00
14ـ	کتاب الجامع لمفردات الادویہ والاغذیہ ـ III (اردو)	275.00
15ـ	امراض قلب (اردو)	205.00
16ـ	امراض ریہ (اردو)	150.00
17ـ	آئینہ سرگزشت (اردو)	07 .00
18ـ	کتاب العمدہ فی الجراحت ـ I (اردو)	57.00
19ـ	کتاب العمدہ فی الجراحت ـ II (اردو)	93.00
20ـ	کتاب الکلیات (اردو)	71.00
21ـ	کتاب الکلیات (عربی)	107.00
22ـ	کتاب المنصوری (اردو)	169.00
23ـ	کتاب الابدال (اردو)	13.00
24ـ	کتاب التیسیر (اردو)	50.00
25ـ	کتاب الحاوی ـ I (اردو)	195.00
26ـ	کتاب الحاوی ـ II (اردو)	190.00
27ـ	کتاب الحاوی ـ III (اردو)	180.00
28ـ	کتاب الحاوی ـ IV (اردو)	143.00
29ـ	کتاب الحاوی ـ V (اردو)	151.00
30ـ	المعالجات البقراطیہ ـ I (اردو)	360.00
31ـ	المعالجات البقراطیہ ـ II (اردو)	270.00
32ـ	المعالجات البقراطیہ ـ III (اردو)	240.00
33ـ	عیون الانبائی طبقات الاطباء ـ I (اردو)	131.00
34ـ	عیون الانبائی طبقات الاطباء ـ II (اردو)	143.00
35ـ	رسالہ جودیہ (اردو)	109.00
36ـ	فزیکو کیمیکل اسٹینڈرڈس آف یونانی فارمولیشنز ـ I (انگریزی)	34.00
37ـ	فزیکو کیمیکل اسٹینڈرڈس آف یونانی فارمولیشنز ـ II (انگریزی)	50.00
38ـ	فزیکو کیمیکل اسٹینڈرڈس آف یونانی فارمولیشنز ـ III (انگریزی)	107.00
39ـ	اسٹینڈرڈائزیشن آف سنگل ڈرگس آف یونانی میڈیسن ـ I (انگریزی)	86.00
40ـ	اسٹینڈرڈائزیشن آف سنگل ڈرگس آف یونانی میڈیسن ـ II (انگریزی)	129.00
41ـ	اسٹینڈرڈائزیشن آف سنگل ڈرگس آف یونانی میڈیسن ـ III (انگریزی)	188.00
42ـ	کیمسٹری آف میڈیسنل پلانٹس ـ I (انگریزی)	340.00
43ـ	دی کنسیپٹ آف برتھ کنٹرول ان یونانی میڈیسن (انگریزی)	131.00
44ـ	کنٹری بیوشن ٹو دی یونانی میڈیسنل پلانٹس فرام نارتھ آرکوٹ ڈسٹرکٹ تامل ناڈو (انگریزی)	143.00
45ـ	میڈیسنل پلانٹس آف گوالیار فوریسٹ ڈویژن (انگریزی)	26.00
46ـ	کنٹری بیوشن ٹو دی میڈیسنل پلانٹس آف علی گڑھ (انگریزی)	11.00
47ـ	حکیم اجمل خاں ـ دی ورسیٹائل جینیس (مجلد ، انگریزی)	71.00
48ـ	حکیم اجمل خاں ـ دی ورسیٹائل جینیس (پیپر بیک ، انگریزی)	57.00
49ـ	کلینیکل اسٹڈی آف ضیق النفس (انگریزی)	05.00
50ـ	کلینیکل اسٹڈی آف وجع المفاصل (انگریزی)	04.00
51ـ	میڈیسنل پلانٹس آف آندھرا پردیش (انگریزی)	164.00

ڈاک سے منگوانے کے لیے اپنے آرڈر کے ساتھ کتابوں کی قیمت بذریعہ بینک ڈرافٹ ، جو ڈائرکٹر سی ـ سی ـ آر ـ ایم نئی دہلی کے نام بنا ہو پیشگی روانہ فرمائیں ------- 100/00 سے کم کی کتابوں پر محصول ڈاک بذمہ خریدار ہوگا ۔

کتابیں مندرجہ ذیل پتہ سے حاصل کی جا سکتی ہیں :

سینٹرل کونسل فار ریسرچ ان یونانی میڈیسن 65-61 انسٹی ٹیوشنل ایریا ، جنک پوری ، نئی دہلی ـ110058 فون : 5599-831,852,862,883,897

RNI Regn.No. 57347/94 Postal Regn.No. DL-11337/2000 Licenced to Post Without Pre-Payment at New Delhi P.S.O. New Delhi-110002 **Posted On 1st and 2nd of Every Month** Licence No. U(C)180/200 Annual Subscription. Individual - Rs. 130 Institutional -140. Regd Post - Rs 300

Urdu SCIENCE Monthly